پھر موسم گل نے پکارا

”میری سمیطہ سے پہلی ملاقات یونیورسٹی میں کیفے کے پاس ہوئی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے بری طرح رو رہی تھی۔ میں عثمان کے ساتھ اپنے ایم اے اکنامکس کے رزلٹ کا پتا کرنے آیا تھا۔ وہ اگست کے آخری دن تھے۔ دھوپ جتنی تیکھی تھی، حبس اس سے زیادہ شدید تھا۔ ہمارا پیاس کے مارے برا حال تھا۔ ہم پیپسی پینے کیفے ٹیریا کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ عثمان مجھ سے کافی آگے تھا، وہ چوتھے اسٹیپ کے آخری کونے میں بیٹھی رو رہی تھی۔ پتا نہیں عثمان کی نظر اس پر پڑی تھی یا نہیں، میں البتہ ٹھٹھک گیا۔ اس کی دوست اس کے پاس کھڑی اسے چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ اس پوزیشن میں بیٹھی ہلکی سسکیوں سے رو رہی تھی جس سے اس کا سیاہ بالوں سے ڈھکا خوب صورت سر ہولے ہولے ہل رہا تھا۔ پہلے میں نے بھی سوچا کہ اسے نظر انداز کر کے گزر جاؤں مگر کوشش کے باوجود میں ایسا نہ کر سکا اور۔“

مغیث احمد سانس لینے کے لیے رکا تو گٹار کے وائرز ٹائٹ کرتے ایاز نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور پھر خاموشی سے سر جھکا کر اپنے کام میں مگن ہو گیا۔

”اور میں نے پاس جا کر کہا...... ایکسکیوز می مس! کیا آپ بتائیں گی کہ آپ اتنی گرمی میں کیوں رو رہی ہیں؟“

یا تو میں کچھ بوکھلا گیا تھا یا موسم کی شدت کا اثر تھا کہ اس جملے میں سب سے فضول لفظ گرمی تھا۔

مغیث خود ہی ہولے سے ہنسا۔

”میری آواز پر پہلے تو ایک لمحے کو اس نے اپنی سسکیاں روکیں اور پھر سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ رونے سے اس کی بڑی بڑی کشادہ آنکھیں جیسے دھل گئی تھیں اور اتنے حبس کے باوجود یک بارگی مجھے

UrduPhoto.com

شبنمی صبح کا خیال آ گیا۔ بے بی پنک کاٹن کے سادے سوٹ میں اس کی سفید رنگت میں گلابیاں گھلی ہوئی تھیں اس سے پہلے کہ میں مکمل طور پر اس کے سادہ حسن میں غرق ہو جاتا۔ اس نے چیخ کر مجھے جواب دیا۔

"کیوں کیا گری میں رونا منع ہے؟" اس کی آواز بھی جیسے آنسوؤں سے دھل کر نکلی تھی، صاف، کھنک دار۔

"نہیں، منع تو نہیں ہے مگر اس طرح راستے میں بیٹھ کر یہ شغل فرمانا بھی تو کوئی قابل تحسین کام نہیں ہے۔" میں نے ذرا سنبھل کر کہا۔

"اگر آپ کو اس جگہ بیٹھ کر یہ شغل فرمانا ہے تو ہم اٹھ جاتے ہیں۔" وہ ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں۔ آپ جہاں مرضی بیٹھ کر یہ شغل فرما سکتی ہیں پورا کیمپس خالی پڑا ہے۔"

"میں یہ کہہ کر تیزی سے دو سیڑھیاں اوپر چڑھ گیا۔ جب ذرا سی کھسر پھسر کے بعد اس کی دوست نے مجھے آواز دی۔

"مسٹر! سنیے۔"

"جی فرمایئے۔" میں نے واپس اترے بغیر ذرا سا مڑ کر کہا۔

"اصل میں ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔" وہ دو سیڑھیاں چڑھ کر میرے پاس آ گئی اور وہ نک چڑھی حسینہ نچلی سیڑھیوں پر کھڑی ٹشو پیپر سے ناک رگڑتے ہوئے سوں سوں کرتی رہی۔

"وہ ایڈمیشن ہو رہے ہیں نا ایم اے کے تو ہم اسی لیے آئے تھے۔ آفس کے باہر بے پناہ رش تھا۔ کھڑے کھڑے ہمارا حشر خراب ہو گیا۔ ہم نے سوچا کہ کچھ کھا پی آتے ہیں اتنے میں شاید رش کم ہو جائے ہم نے یہاں آ کر کولڈ ڈرنکس پی اور پھر واپس آفس چلے گئے۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ میری دوست کی فائل جس میں اس کے سارے اوریجنل ڈاکومینٹس تھے۔ وہ تو ہم یہیں بھول آئے ہیں۔ بھاگم بھاگ یہاں پہنچے فائل ڈھونڈی یہاں موجود تقریباً سب ہی لوگوں سے پوچھا مگر فائل ہمیں نہیں ملی اسی لیے۔" وہ سانس لینے کے لیے رکی۔

"اچھا تو کیا رونے سے مل گئی؟" میں نے طنز سے کہا۔

"نہیں ملی۔" وہ مایوسی سے بولی۔ "پلیز آپ ہماری کچھ مدد کریں۔" وہ لجاجت سے بولی۔

"آپ سے کس عقل مند نے کہا تھا کہ اوریجنل ڈاکومینٹس لے کر گھر سے نکلیں۔" میں دو

UrduPhoto.com

سیڑھیاں اتر کر اس ناک رگڑتی حسینہ سے بولا تو اس نے مجھے گھور کر دیکھا مگر خاموش رہی۔

"بس جلدی میں نکلے تھے سوچا تھا۔ یہیں سے فوٹو اسٹیٹ کروا لیں گے۔ کل داخلے کی آخری تاریخ ہے اب کیا کریں۔" اس کی دوست نے بتایا۔

"خیر میں نے ان سے فائل کا کلر اور ڈاکومنٹس کی تفصیل پوچھی پھر میں نے اور عثمان نے ان کے ساتھ مل کر فائل ڈھونڈنے کی حتی الامکان کوشش کی مگر دو گھنٹے کی سر توڑ تلاش کے باوجود ہم فائل نہ ڈھونڈ سکے۔

"اس میں پیسے تو نہیں تھے۔" میں تھک کر پیچھے آتی سمیطہ اور اس کی دوست سے پوچھا۔

"ایک ہزار روپے تھے۔" وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر بولی۔

"اور یہ جو اتنی بڑی بڑی عمرو عیار کی زنبیلیں لٹکا رکھی ہیں آپ لوگوں نے کندھوں پر، یہ کس مرض کی دوا ہیں؟" میں نے ان کے شولڈر بیگز کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہو جاتی ہے۔ بندے سے بھول چوک۔" وہ تنک کر بولی۔

"تو پھر بھگتیں جا کر، ہمیں کیوں ساتھ خوار کر رہی ہیں۔" میں نے بھی تلملا کر کہا اور عثمان کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف نکل گیا۔

"اور پھر مزے کی بات بتاؤں، وہ فائل کہاں سے ملی؟" مغیث نے مسکراتے ہوئے گٹار پر جھکے ایاز سے کہا۔

"کہاں سے؟" ایاز نے سر اٹھائے بغیر غیر دلچسپ انداز میں پوچھا۔

"وی سی صاحب کے آفس کے باہر جو پیون تھا، وہ یہ فائل ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔ ہم آفس کی طرف جا نکلے تھے۔ بڑی مشکل سے وہ فائل پیون سے لی اور شام کو میں اس کے گھر وہ فائل دینے گیا تو ڈاکٹر گیٹ سے باہر آ رہا تھا۔ ساتھ میں اس کے والد صاحب تھے میں نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور آنے کی وجہ بتائی تو وہ بہت خوش ہوئے۔"

"اس بیوقوف لڑکی نے تو رو رو کر اپنا حشر کر لیا ہے ایک سو چار بخار ہے دوپہر سے اسے۔" اس کے والد نے مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے بتایا تو میں نے فائل ان کے حوالے کی۔

"کل تو داخلے کی آخری تاریخ ہے سمیطہ کیسے جائے گی یونیورسٹی۔ اس کا بھائی بھی گھر پر نہیں ہے آج کل۔ بیٹا! یہ تم فارم فل کر کے آفس میں جمع کروا دینا۔" وہ بولے تو میں کچھ جھجک گیا۔

"جی میں۔"

"ہاں ہاں تم۔ تمہاری بڑی مہربانی ہو گی اگر تم یہ زحمت کر دو تو۔" اور پھر میں نے وہیں بیٹھ کر

اس کا فارم فل کیا اور اگلے روز جا کر آفس میں فارم جمع کروا کے اس کی نمبر سلپ لی اور سلپ دینے کے لیے دوبارہ اس کے گھر گیا تو۔"

"Hey men what are you doing

It's time of your duty please

take your seats"

(آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں، یہ کام کا وقت ہے۔ پلیز اپنی سیٹوں پر جائیں)

مسٹر پیٹر نے ہال میں جھانکتے ہوئے ان دونوں کو باتوں میں مصروف دیکھ کر زوردار آواز میں کہا تو وہ گڑبڑا کر کھڑے ہو گئے۔ مغیث نے ٹائم دیکھا، پب کے کھلنے کا وقت ہو چلا تھا۔ ویٹرز فرش کی صفائی کر چکے تھے اور اب میزوں کو از سر نو جھاڑا جا رہا تھا۔ ایاز گٹار اٹھا کر میوزک روم کی طرف چل پڑا اور مغیث کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

"میرا خیال ہے، گیٹ کی بیل بج رہی ہے۔" رابعہ نے کروٹ بدل کر پاس سوئے اقبال صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ "ایک بج گیا ہے اس وقت بھلا کس نے ہونا ہے میرا وہم ہو گا۔" انہوں نے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا اور پھر سے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگیں کہ پھر سے بیل کی آواز سنائی دی اس دفعہ گھنٹی کا دورانیہ طویل تھا وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔

"باہر دروازے کی بیل بج رہی ہے۔ اٹھ کر دیکھیں کون ہے۔" انہوں نے اقبال صاحب کو بازو سے ہلاتے ہوئے کہا تو انہوں نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی۔

"کون؟ اس وقت کون ہو سکتا ہے۔" وہ لیٹے لیٹے سستی سے بولے۔ "میرا خیال ہے تمہیں وہم ہوا ہے۔"

"نہیں، میں نے خود دو بار آواز سنی ہے۔ آپ اٹھیں تو۔" وہ زور دے کر بولیں تو وہ اٹھ بیٹھے اور کچھ بے زاری کے عالم میں سلیپر پہننے لگے کہ پھر گھنٹی بج اٹھی تو رابعہ بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئیں اور دونوں آگے پیچھے باہر نکل گئے۔"

اقبال صاحب گیٹ کھول کر حیران رہ گئے۔

"پنکی! تم اس وقت؟ خیریت تو ہے بیٹا۔ اتنی رات کو؟" ان کی نیند سے بوجھل آنکھیں جیسے حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں، وہ سیاہ چادر میں سارا وجود ڈھانپے کھڑی تھی۔

"جی۔ خیریت ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا اور انہیں ذرا سا ہٹاتے ہوئے اندر کی طرف بڑھی۔

انہوں نے حیرانی سے گیٹ سے باہر جھانکا۔ سنسان سڑک سائیں سائیں کر رہی تھی دور ایک موٹر بائیک کی لائیٹس اندھیرے میں گم ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھیں، وہ گیٹ بند کر کے واپس پلٹے تو وہ دور جا چکی تھی اور حیران پریشان سی رابعہ اس کے پیچھے گئی تھیں۔

"پنکی بیٹا! خیر تو ہے۔ اس وقت اتنی رات کو تم اکیلی آئی ہو؟" وہ لاؤنج میں پہنچی تھی کہ رابعہ نے پیچھے سے بے تاب ہو کر پوچھا تو اس نے پلٹ کر انہیں سپاٹ نظروں سے دیکھا۔

اس کی آنکھیں بے تاثر سی تھیں۔ البتہ ناک کی نوک ابھی تک سرخ تھی اور چہرہ آنسوؤں سے دھلا ہوا تھا۔

"اگر آپ لوگ میرے آنے سے اس قدر ہراساں ہو رہے ہیں تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔" خشک لہجے میں کہہ کر وہ واپس مڑی۔

"کیا کہہ رہی ہو۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، کیا جھگڑا ہو گیا ہے گھر میں؟" وہ گھبرا کر پاس آ کر بولیں اور ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھونا چاہا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔

"گھر کون سا گھر؟" اس کا لہجہ ڈرا دینے کی حد تک سنسان تھا۔ رابعہ حقیقتاً پریشان ہو گئیں۔

"تم آئی کس کے ساتھ ہو؟" اقبال صاحب اندر آ کر بولے۔

"اکیلی آئی ہوں اور اکیلی جا بھی سکتی ہوں اگر آپ لوگوں نے اسی طرح مجھ پر جرح جاری رکھی تو۔" اس کا لہجہ دھمکی سے آگے کا پتا دے رہا تھا۔ وہ ٹھٹک کر چپ کر گئے۔

"پھر بھی اس وقت آنا، صبح بھی تو۔" رابعہ نے ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا صبح، کیا رات، مجھے اب اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔" وہ بیزار لہجے میں کہہ کر اندر کی طرف بڑھی اور کاریڈور سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور وہ دونوں حیران پریشان سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"میرا تو دل گھبرا رہا تھا۔ خدا خیر کرے۔" رابعہ پریشانی سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"یقیناً کوئی جھگڑا ہوا ہو گا۔" اقبال صاحب بھی بیٹھ گئے۔

"ظاہر ہے ورنہ یہ اتنی بیوقوف تو نہیں ہے کہ اکیلے اس وقت نکل کھڑی ہو کوئی سیریس بات ہی ہو گی۔" رابعہ نے تائید کی۔

"پتا نہیں ادھر کسی کو بتا کر بھی آئی ہے یا نہیں۔ کہیں وہ لوگ بھی پریشان نہ ہو رہے ہوں۔ تم فون کر کے پتا تو کرو۔" اقبال صاحب بولے۔

UrduPhoto.com

"اب جب تک اس کا غصہ نہیں اترے گا کچھ نہیں بتائے گی۔" رابعہ اس کی طبیعت سے واقف تھیں۔

"تم اٹھ کر فون کرو۔ ابھی پتا چل جاتا ہے۔" اقبال صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔

"پتا نہیں کیا بات ہو۔ کیا خبر کوئی زیادہ سیریس بات ہو اور جب تک پنکی نہیں بتائے گی میں ان کی کسی بات کا کیا جواب دوں گی اور پھر اس وقت فون کرنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ تامل سے بولیں۔

"اس وقت اس کا اکیلے آنا فون کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے تم اٹھ کر فون کرو۔" وہ بے چینی سے کھڑے ہو کر بولے۔

"کوئی ادھر فون نہیں کرے گا اور نہ جائے گا۔ اگر آپ لوگوں نے ایسا کیا تو میں گھر چھوڑ کر کہیں نکل جاؤں گی یا زہر کھا لوں گی۔" پتا نہیں وہ کس وقت سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ دروازے میں آ کر سخت لہجے میں بولی تو وہ جیسے ٹھہر گئے۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ، کیا بات ہوئی ہے۔؟" رابعہ جھنجلا کر بولیں۔

"کوئی بات نہیں ہے بلکہ اب تو کوئی بات رہی ہی نہیں ہے میں سب کچھ ختم کر آئی ہوں۔ میں اب دوبارہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کروں گی۔" اس کی آواز اونچی تھی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کیا بات کر رہی ہو؟" رابعہ غصے سے بولیں۔

"جو آپ کو سنائی دے رہا ہے۔ آپ بتائیں، مجھے یہاں پناہ دیں گی یا میں ابھی چلی جاؤں؟" وہ ٹھوس لہجے میں بولی تو اقبال صاحب اس کے تیور دیکھ کر آگے بڑھے۔

"اچھا ٹھیک ہے، تم جا کر آرام کرو۔ صبح دیکھیں گے۔ اب کوئی فون نہیں کرے گا۔ تم سو جاؤ جا کر۔" وہ اس کے پاس آ کر ذرا نرمی سے بولے تو اس کے چہرے کا تناؤ کچھ کم ہو گیا اور وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"پتا نہیں کیا کر آئی ہے۔ یا اللہ خیر۔" رابعہ نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اللہ خیر کرے گا۔ اب چھوڑو۔ صبح دیکھیں گے۔" وہ باہر کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

"یاسمین اور عظمیٰ پوچھیں گی صبح تو ان سے کیا کہیں گے۔" رابعہ کو ایک اور فکر ستانے لگی اقبال صاحب کے قدم بھی رک گئے۔

"کہہ دینا۔ رات کو حبیب کے ساتھ آئی تھی اور اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو اسے ہم بہت دیر تک چھپا نہیں سکیں گے۔" وہ کچھ سوچ کر بولے "اور ویسے تم اسے بھی زیادہ نہ کریدنا وہ غصے میں تو ہے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

لیکن پریشان زیادہ ہے خود ہی سب کچھ بتا دے گی تم اصرار نہ کرنا۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے تو رابعہ آہ بھر کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"دیکھوں سو گئی ہے یا نہیں۔" وہ باہر نکل کر اس کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ دروازہ بند تھا انہوں نے ہلکا سا دھکیلا مگر اس نے شاید اندر سے لاک لگا لیا تھا وہ کچھ دیر کھڑی رہیں پھر واپس مڑ گئیں۔

☆☆☆

"اگرچہ ابھی ہمارا رزلٹ آؤٹ ہونے میں کم از کم مہینہ باقی تھا مگر میں تقریباً ہر روز یونیورسٹی جانے لگا۔ میرا جی چاہتا کہ ایک بار پھر سے ایڈمیشن لے لوں اور ایک چکر انگلش ڈیپارٹمنٹ کا ضرور لگاتا۔ پریولیس کی کلاسز ابھی اسٹارٹ نہیں ہوئی تھیں اور میں یونہی مٹرگشت کر کے واپس آ جاتا ایک اور بار خیال آیا کہ اس کے گھر خیریت پوچھنے کے بہانے چلا جاؤں مگر پھر ہمت نہیں پڑی۔"

"تم سو رہے ہو۔؟" مغیث نے آنکھوں پر بازو رکھے چپ چاپ لیٹے ایاز سے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے بازو ہٹائے بغیر بے تاثر سا نہیں، کہا تو مغیث نے سلسلہ گفتگو پھر سے جوڑ دیا۔

"پھر پریولیس کی کلاسز اسٹارٹ ہونے کے دوسرے روز ہی وہ مجھے اپنی اسی دوست کے ساتھ کاریڈور میں جاتی مل گئی۔ میں نے اس کی خیریت دریافت کی، پہلے روز کے برخلاف وہ بڑی شائستگی سے مجھے جواب دیتی رہی۔ اس نے میرا شکریہ بھی ادا کیا کہ میں نے اس کے ایڈمیشن فارم جمع کروائے تھے۔ اس کی دوست نے بھی میرا شکریہ ادا کیا پھر ان کی کلاس ہونے والی تھی۔ وہ معذرت کر کے کلاس لینے چلی گئیں اور میں فرحاں وشاداں واپس آ گیا۔

پھر ہفتے میں ایک آدھ دن میں ان کے ڈیپارٹمنٹ کا چکر ضرور لگاتا کبھی کسی دوست سے ملنے کے بہانے کبھی کسی پروفیسر کے اور ایک دن وہ مجھے دور سے آتے دیکھ کر ہنس پڑی اور جب میں پاس پہنچا تو ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

"مغیث صاحب! آپ کو کیوں وہم ہو گیا ہے کہ ایک دو دن بعد میرا حال خراب ہو جاتا ہے یا میری طبیعت گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ آپ یقین کریں میں بالکل خیریت سے ہوں اور انشاءاللہ آئندہ بھی رہوں گی اور آپ کی خیریت کی بھی دعا کرتی ہوں۔ اب اس سے آگے بات شروع کریں۔"

اس کی شوخ ہنسی اور ذومعنی بات نے مجھے گڑبڑا دیا اور پھر میں نے ایک فیصلہ کر لیا۔"

بات کرتے کرتے اس نے ایاز کی طرف دیکھا تو اس کے ہلکے ہلکے خراٹے اسے سنائی دیے۔ مغیث بل کھا کر رہ گیا۔

''لعنت ہو تم پر۔'' کہہ کر اس نے تکیہ گھسیٹا اور سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا اس میں نہ تو ایاز کی نیند کا قصور تھا اور نہ مغیث کی داستان گوئی کا۔ ایاز اس کی یہ کہانی کوئی بیسویں بار سن رہا تھا۔ سارے واقعات اسے ازبر ہو چکے تھے اور مغیث بیچارہ کیا کرتا، ایاز کے سوا وہ یہ کہانی اور کسے سناتا، ایاز کے سوا اس کا کوئی دوست بھی نہیں تھا یہاں۔

وہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ آدھی رات سے زیادہ کا وقت ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی غافل ہو گیا۔ ابھی اسے سوئے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ ان کے فلیٹ کے باہر کسی کے زور زور سے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیسی آوازیں ہیں نیند کے غلبے سے ویسے ہی حواس معطل ہوئے جا رہے تھے مگر جب باہر شور بڑھا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دوسری طرف ایاز بھی لال سرخ آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیسی آوازیں ہیں؟'' اس نے نیند سے بوجھل بھاری کندھے اچکائے۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی۔

''دروازہ کھولو۔ خدا کے لیے دروازہ کھولو۔'' آواز کسی لڑکی کی تھی۔

مغیث نے ایک نظر ایاز کو دیکھا اور جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ایاز بھی اس کے پیچھے اٹھ آیا۔ اس نے جیسے ہی لاک میں چابی گھما کر دروازہ کھولا کوئی دھڑام سے اس کے اوپر آ گرا۔ وہ حواس یافتہ ہو کر پیچھے ہٹا مگر گرنے والے نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''خدا کے لیے مجھے بچاؤ۔ میں آپ لوگوں کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں اس درندے سے مجھے بچا لو۔'' چیخنے کی وجہ سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی اس کے درندہ، کہنے پر انہوں نے باہر کی طرف دیکھا تو پچیس چھتیس سالہ ایک نوجوان اندر داخل ہوا اسے دیکھ کر وہ لڑکی مغیث سے چمٹ گئی تو مغیث گھبرا گیا اس نے مدد طلب نظروں سے اپنے پاس کھڑے ایاز کی طرف بے بسی سے دیکھا تو ایاز آگے بڑھا۔

''دیکھیں بی بی! یہ کوئی طریقہ نہیں ہے مدد مانگنے کا۔ آپ ٹھیک سے بات کریں کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے لڑکی کے کندھے سے اس کی شرٹ کا کونہ پکڑتے ہوئے مغیث کو اس کی گرفت سے چھڑانا چاہا۔

''نہیں، نہیں۔ یہ مجھے مار ڈالے گا۔ مجھے بچا لو۔'' وہ اور زور سے بولی اور مغیث کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

''تم لوگ بیچ میں مت آؤ، یہ ہم میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ رابیل چلو گھر۔ کیوں تماشا لگا رہی ہو۔'' وہ آدمی آگے بڑھ کر اپنے غصیلے لہجے پر قابو پاتے ہوئے اس لڑکی کے قریب آ کر بولا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

''نہیں، نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی یہ مجھ سے غلط کام کروانا چاہتا ہے، یہ مجھے مار دے گا۔ مجھے بچا لیں۔'' وہ اپنے ساتھ مغیث کو گھسیٹتی ہوئی کمرے کے وسط میں لے آئی۔

مغیث کے اتنی سردی میں پسینے چھوٹ گئے۔ اس نے زور سے لڑکی کو پرے دھکیلا اور خود تیزی سے اس آدمی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا، شاید ان دونوں کے درمیان پہلے باقاعدہ، جنگ و جدل ہو چکی تھی اور اس لٹکتی ہوئی دھجی پر ان کی نظر پہلی بار پڑی تھی مغیث نے تو جلدی سے نظریں چرا لیں البتہ ایاز نے آگے بڑھ کر بیڈ پر پڑی چادر اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی تو اسے بھی جیسے یاد آ گیا، اس نے جلدی سے چادر لے کر اپنے اوپر لپیٹ لی۔

''دیکھیں جی، معمولی سی بات ہے۔ میرے کچھ دوست آئے تھے انہیں نے پی کر کچھ ہلا گلا کیا تو اس گاؤدی نے طوفان اٹھا دیا۔ یہاں تو جی یہی کچھ ہوتا ہے مگر یہ لوگ پاکستان سے چل پڑتے ہیں امریکہ میں رہنے اور ساتھ میں ٹنوں کے حساب سے یہ منحوس شرم و حیا بھی ساتھ لے آتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے ذرا سا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نیک پروین نے ہنگامہ کر دیا۔ ان لوگوں کے سامنے میری جو سبکی ہوئی، وہ علیحدہ ہے۔'' وہ آدمی خونخوار نظروں سے لڑکی کو گھورتے ہوئے بظاہر نرم لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''جھوٹ مت بولو غلیظ انسان!'' لڑکی غرائی ''یہ ان لوگوں سے پوری ڈیلنگ طے کر کے انہیں لایا تھا۔ آپ خدا کے لیے مجھے آج کی رات اس سے بچا لیں کل میں اپنا کوئی بندوبست کر لوں گی۔'' وہ ایاز کے پیچھے ہوتے ہوئے منت آمیز لہجے میں بولی۔

''رابیل! کیوں اپنا اور میرا تماشا بنوا رہی ہو۔ چلو گھر، وہ لوگ تو کب کے جا چکے ہیں۔'' وہ آدمی اس کی طرف بڑھتے ہوئے ذرا نرمی سے بولا۔

''ہرگز نہیں۔ میں اس کھڑکی سے کود کر جان دے دوں گی مگر تمہارے جیسے پیچ اور گھٹیا کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔''

اس کی نظر شاید کھڑکی پر اسی وقت پڑی تھی۔ وہ چھلانگ لگا کر کھڑکی کی طرف بڑھی، ایاز اور مغیث کی جان ہی نکل گئی اس کے کھڑکی سے کودنے کا صاف مطلب ان دونوں کے لیے جیل یا موت تھا۔ ایاز تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

''دیکھیں محترمہ! اگر آپ کو یہ شوق فرمانا ہی ہے تو اپنے فلیٹ میں جا کر فرمائیں ہمیں کیوں مروانا چاہ رہی ہیں ساتھ۔'' وہ کھڑکی کے آگے کھڑا ہو گیا۔

''تو پھر آپ لوگ مجھے پناہ دیں۔ میں اس کے ساتھ کسی صورت نہیں جاؤں گی۔'' وہ ڈٹ کر بولی۔

"آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بھی کہیں نہیں لے جاسکتا، یہ امریکہ ہے، یہاں یہ جبری کام نہیں کروائے جاسکتے۔" ایاز نے طنز بھرے لہجے میں اس آدمی سے کہا۔

"آپ آرام سے بیٹھ کر ہمیں بتائیں کہ آخر مسئلہ کیا ہے۔" اس نے رابیل سے کہا۔

"میں بتاؤں گی سب آپ کو مگر پہلے اس معلون سے کہیں، یہاں سے دفعان ہو جائے پھر بتاؤں گی۔" وہ اس آدمی کو دیکھتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولی۔

"میں تمہیں یہاں سے لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔ سنا تم نے۔ تم میری بیوی ہو۔ کوئی مذاق نہیں۔ چلو میرے ساتھ۔ بہت ڈرامہ ہو گیا۔"

وہ سختی سے کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھا تو لڑکی نے جھپٹ کر کھڑکی کھول دی برف میں ڈھلی ہوئی ہوا کا سرد جھونکا اندر آ گیا تو ایک پل میں ان کے جسم میں سردی کی لہر سی دوڑ گئی۔

"کھڑکی بند کر دیں۔" مغیث نے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کرنا چاہی مگر وہ اس کے پٹ مضبوطی سے تھام کر کھڑی ہو گئی۔

"میں کھڑکی اس وقت تک بند نہیں کروں گی جب تک یہ یہاں سے نہیں جائے گا ورنہ مجھے مرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" وہ انہیں دھمکاتے ہوئے بولی۔

ایاز نے ایک نظر لڑکی کے فیصلہ کن انداز پر ڈالی اور دوسری نظر غصے سے بھرے اس شخص پر ڈالی۔

"کیا کہتے ہیں آپ پھر؟" اس نے اس آدمی سے کہا۔

"اس کی تو ایسی کی تیسی۔" وہ دانت پیس کر آگے بڑھا تو ایاز نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔

"میرا خیال ہے۔ فضول غصہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اس وقت آپ واپس چلے جائیں۔ صبح یہ خود ہی آ جائیں گی آپ کے پاس یا ہم چھوڑ جائیں گے۔ ویسے بھی دن نکلنے میں دو اڑھائی گھنٹے ہی تو ہیں۔" ایاز نے وال کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ اس میں شرم کی بات نہیں۔ میرے دوست تمہارے لیے وحشی درندے تھے اور اب جوان دونوں کے پاس رہنا چاہ رہی ہو؟" وہ اس لڑکی کے پاس آ کر تیوری چڑھا کر معنی خیز انداز میں پھنکارا۔

"تم گندی ذہنیت کے مالک ہو تمہارا ہر خیال گندگی سے جنم لے گا۔ اگر ایسا ہے بھی تو یہ میری مرضی ہے۔ تم ہی تو کہتے ہو کہ یہاں ہر کوئی اپنی مرضی سے جیتا ہے میں بھی اپنی مرضی سے یہاں رہ رہی ہوں۔" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی تو وہ آدمی اسے دیکھ کر رہ گیا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"تم کیا سمجھتی ہو، اس ریت کی دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر مجھ سے بچ جاؤ گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میرا حق تم پر ثابت ہے۔" وہ منہ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"حق تھا، اب نہیں ہے اور ثابت تو میں تمہیں کرواؤں گی کہ کون ریت کی دیوار ہے۔ تمہاری ہوس یا میری مضبوطی۔" لڑکی اسی کے لہجے میں دو بدو بولی تو وہ آدمی اسے گھورتے ہوئے باہر کی طرف بڑھا۔

"اسے میری کمزوری نہ سمجھنا۔ تم جیسی بہت دیکھی ہیں میں نے سمجھ لوں گا تمہیں بھی۔"

وہ دھمکی دیتا ہوا باہر نکل گیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلا، وہ لڑکی زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کے اس طرح اچانک تبدیل ہو جانے پر وہ دونوں ایک دوسرے کو حیرت اور تشویش سے دیکھنے لگے۔

☆☆☆

اس رات کی صبح بھی عجیب سی تھی۔ خاموش اور پراسراری۔ اگرچہ گھر میں روزانہ کی طرح شور ہنگامہ برپا تھا۔ بچے اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ یاسمین اور عظمیٰ جلدی جلدی کچن میں ان کے ناشتے کا انتظام کر رہی تھیں۔ عظمیٰ کو تو اسکول بھی جانا ہوتا تھا۔ اس کی ایک ٹانگ کچن میں ہوتی اور دوسری اپنے کمرے میں، اس کے دونوں بچے ابھی چھوٹے تھے ایک پہلی میں اور ایک پریپ میں۔ ان دونوں کو تیار کرنا اور پھر فہیم کی تیاری کا ہنگامہ۔ یاسمین کے تینوں بچے بڑے تھے، اس لیے وہ خود ہی تیار ہو جاتے تھے اور عظیم کو ویسے بھی فیکٹری ذرا دیر سے جانا ہوتا تھا اور اقبال صاحب اس کے بعد تقریباً دس گیارہ بجے فیکٹری جایا کرتے تھے۔ اس لیے وہ ذرا دیر سے اٹھ کر آتے تھے مگر آج وہ بھی صبح ہی سے چپ چاپ لاؤنج میں ارد گرد ہونے والے شور سے بے نیاز بیٹھے تھے اور رابعہ تین بار صبح سے پنکی کے بند دروازے کے چکر لگا چکی تھیں۔

"امی! میری جرسی نہیں مل رہی۔" علینہ نے کچن میں آ کر انڈہ فرائی کرتی یاسمین سے کہا۔

"کمرے میں دیکھو، وہیں ہو گی۔" یاسمین نے مصروف انداز میں کہا۔

"نہیں ہے۔ میں دیکھ چکی ہوں مجھے دیر ہو رہی ہے ڈھونڈ کر دیں۔" علینہ بیزاری سے بولی۔

"میں کہاں ڈھونڈوں۔" اس نے انڈا پلیٹ میں رکھا "ہاں یاد آیا، وہ امی کے ساتھ والے کمرے میں کل عظمیٰ نے رکھی تھی جب تم اسے لاؤنج میں اتار کر پھینک گئی تھیں، وہیں دیکھو جا کر۔" تو علینہ باہر نکل گئی۔

''امی! وہ کمرے کا دروازہ تو لاک ہے، پتا نہیں اندر کون ہے۔'' علینہ چند لمحے بعد پھر ماں کے سر پر کھڑی تھی۔

''وہ کس نے لاک کر دیا، وہاں تو کوئی نہیں سویا۔'' یاسمین حیرت سے بولی۔ ''اچھا چلو میں دیکھتی ہوں۔'' اس نے ناشتے کی ٹرے ڈائننگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے باقی بچوں کو آواز لگائی اور کمرے کی طرف بڑھی۔

دروازہ واقعی لاک تھا، اس نے دوبارہ دستک دی مگر وہاں مکمل خاموشی تھی۔

''امی! یہ کمرہ کیوں لاک ہے۔ کوئی اندر ہے؟'' یاسمین نے لاؤنج کے دروازے پر کھڑے ہو کر رابعہ سے پوچھا۔

''ہیں۔ کون سے کمرے میں۔'' وہ جیسے غائب دماغی سے بولیں پھر انہیں یاد آ گیا ''ہاں پنکی آئی ہوئی ہے رات سے طبیعت اس کی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ شاید ابھی تک سو رہی ہے۔'' وہ کچھ اٹک کر بولیں۔

''پنکی آئی ہے کب؟'' یاسمین حیرت سے بولی ''ہمیں تو پتا نہیں چلا۔ اکیلی آئی ہے بچے نہیں آئے ساتھ؟'' وہ ذرا پاس آ کر بولی۔

''ہاں، وہ حسیب کے ساتھ آئی تھی۔ بچے گھر پر ہی چھوڑ آئی ہے اپنی طبیعت اس کی کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے ڈاکٹر کے ہاں سے سیدھا ادھر ہی آ گئی۔'' وہ بہو سے نظر نہیں ملا پا رہی تھی۔

''دادو! میری جرسی ہے اندر کمرے میں، مجھے اسکول سے دیر ہو رہی ہے۔'' علینہ دونوں کے ڈائیلاگ سے اکتا کر بولی۔

''تو بیٹا! دروازہ کھٹکھٹا لو، کھول دے گی یا پھر میں دیکھتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پھر انہوں نے کتنا ہی دروازہ کھٹکھٹایا مگر اس نے دروازہ نہیں کھولا۔

''بیٹا! تم کوئی دوسری جرسی پہن جاؤ۔ شاید دوائی میں نیند زیادہ ہو۔ اس لیے اسے آرام کرنے دو۔'' رابعہ نے برے برے منہ بناتی علینہ سے کہا۔

''دوسری جرسی تو گندی ہے دادو!'' وہ پیر پٹخ کر بولی۔

''اچھا کچھ نہیں ہوتا اگر ایک دن گندی جرسی پہن جاؤں گی تو۔'' وہ ذرا سختی سے بولیں تو جھنجھلاتے ہوئے واپس مڑ گئی۔

پھر جو بھی ناشتہ کرنے آتا، پنکی کی اچانک آمد کا سن کر حیران ہوتا۔ رابعہ بہانے گھڑتی رہیں اور اقبال صاحب خاموشی سے ان کے جھوٹ سنتے رہتے۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

''کم از کم چھوٹو کو تو لے آتی۔ وہ چھوٹا سا بچہ رات سے اکیلا پریشان ہو گیا ہوگا؟'' یاسمین نے کہہ ہی دیا۔

''ارے بھابھی! وہاں ہیں سب، وہ سنبھال لیں گے۔ ہو سکتا ہے پنکی کی طبیعت زیادہ خراب ہو، اب میں دوبارہ گئی ہوں مگر وہ شاید گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔ مجھے اسکول سے دیر ہو رہی ہے امی! آپ میری طرف سے اسے پوچھ لیجئے گا اور اسے جانے نہ دیجئے گا۔ میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔''

''عظمیٰ جلدی جلدی بچوں کا لنچ پیک کرتے ہوئے بولی۔ تھوڑی دیر میں اس کی وین آ گئی وہ دونوں بچوں کو لے کر چلی گئی۔ بڑے بچے بھی ان کے ساتھ ہی نکل گئے۔ علینہ اور نبیل پہلے ہی جا چکے تھے۔ اس کے بعد باری باری فہیم اور عظیم بھی نکل گئے۔ اب اقبال صاحب سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے جائیں یا پنکی کے اٹھنے کا انتظار کریں۔

''میرا خیال ہے، اب اسے اٹھ جانا چاہیے۔ اتنی دیر تک خالی پیٹ پڑے رہنا اچھی بات نہیں میں اٹھاتی ہوں جا کر۔'' یاسمین بے یقینی سے بولی اور پنکی کو اٹھانے چل پڑی۔

اور تھوڑی دیر میں مایوس لوٹ آئی، اقبال صاحب اس سے کچھ پوچھے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

''امی! ایسا بھی کیا طبیعت کا خراب ہونا کہ اس نے دروازہ ہی لاک کر لیا ہے۔ آپ بلا کر دیکھیں میرے تو دل کو کچھ ہو رہا ہے۔'' یاسمین رابعہ کے پاس آ کر بولی۔

''ہوں!'' رابعہ ایسے ہی بیٹھی رہیں۔

''کہیں کوئی جھگڑا وگڑا تو نہیں ہو گیا گھر میں؟'' وہ پاس بیٹھتے ہوئے مدھم آواز میں بولی۔

''شاید...... اس نے کچھ بتایا نہیں۔'' رابعہ نظریں چرا کر بولیں۔

''ہوں، یہی بات ہوگی ورنہ اتنی رات گئے آنا اور وہ بھی بچوں کے بغیر اور پھر یوں سوئے رہنا خدا خیر کرے۔'' یاسمین کا انداز جتانے والا تھا۔

''وہ تو پتا نہیں کب سو کر اٹھے۔ آپ تو ناشتہ کر لیں۔ لے آؤں؟'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''نہیں، ابھی رہنے دو۔ میرا جی نہیں چاہ رہا۔'' رابعہ بے دلی سے بولیں تو یاسمین ٹیبل سے برتن سمیٹنے لگی۔

پھر بارہ بجے کے قریب پنکی دروازہ کھول کر باہر آئی۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو رہا تھا

اور آنکھیں لال سرخ۔ شاید وہ ایک پل کو بھی سو نہیں سکی تھی۔ اقبال صاحب اس کے اٹھنے کا انتظار کر کے ابھی نکلے تھے رابعہ ڈائننگ ٹیبل پر سبزی رکھے بنا رہی تھیں۔

"امی! پنکی آ گئی ہے اٹھ کر۔" یاسمین نے کچن کی کھڑکی سے اسے لاؤنج کی طرف جاتے دیکھ کر انہیں اطلاع دی۔

"اچھا!" انہوں نے چھری ہاتھ سے رکھ دی اور شاید اٹھنے لگی تھیں مگر پھر کچھ سوچ کر سبزی بنانے لگیں۔ "جاؤ اسے ناشتے کا پوچھ لو۔"

"کیا حال ہے پنکی؟ رات پتا ہی نہیں چلا کہ تم کب آئیں۔؟" یاسمین نے صوفے پر گم صم بیٹھی پنکی کو مخاطب کیا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ مدھم آواز میں بولی۔

"بچے نہیں آئے ساتھ؟" وہ پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"نہیں۔" اس نے مختصراً کہا۔

"طبیعت ٹھیک ہے اب تمہاری؟ بڑا سوئیں کون سے ڈاکٹر کو دکھا کر آئی تھیں۔"

یاسمین نے ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر نظر کا زاویہ بدل دیا۔

"کیا بات ہے، خیریت تو ہے؟" یاسمین بے قرار ہو رہی تھی اصل بات جاننے کے لیے۔

"کیا بات ہونی ہے۔" وہ زور سے بولی۔ "کیا بات ہو سکتی ہے۔ کیا پریشانی ہے آپ کو کیا میں اب اپنے ماں باپ کے گھر کسی بات کے بغیر نہیں آ سکتی۔" اس نے بے مروت لہجے میں چیخ کر کہا تو یاسمین کھڑی ہو گئی۔

"بھئی، جب جی چاہے آؤ جاؤ ہمیں کیا میں تو طبیعت کا پوچھ رہی تھی تم نہ جانے کیوں بھڑک اٹھیں۔ کسی کا وبال کسی پر۔ ہونہہ۔" کہتے ہوئے باہر کی طرف چل پڑی۔

"ناشتہ لا دوں؟" یاسمین پھر کچھ ضبط کر کے مروت سے جاتے جاتے بولی۔

"جی نہیں شکریہ۔ مجھے بھوک لگے گی تو میں خود اٹھ کر لے لوں گی۔" وہ بے رخی سے بولی تو یاسمین پیر پٹختے ہوئے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"ہم لوگ آٹھ بہن بھائی تھے چھ بہنیں اور دو بھائی۔ بھائی دونوں سب بہنوں سے چھوٹے تھے اور لڑکیوں کی آگے پیچھے لائن لگی ہوئی تھی ابا واسا میں کلرک تھے۔ ڈیڑھ دو ہزار کی تنخواہ اور دس افراد کا کنبہ۔ آپ خود سوچیں، وہاں زندگی کی کیا صورت ہو گی، میں بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھی۔ مجھ سے بڑی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

تین تھیں جہاں پیٹ کا جہنم بھرو تو تن کا کپڑا نصیب نہیں ہوتا اور اگر تن ڈھانپو تو خالی آنتیں دہائی دینے لگیں۔ وہاں شادی بیاہ کے سلسلے کسی عیاشی سے کم نہیں ہوں گے۔ دو کمروں کا گھر چیخ چیخ کر اپنی فاقہ مستی کا اعلان کرتا تھا۔ بے رنگ در و دیوار نے آہستہ آہستہ مکینوں کا رنگ روپ بھی چرانا شروع کر دیا۔ تینوں بڑی بہنوں نے پرائمری تک تعلیم حاصل کرنا نہیں آگے پڑھنے کا شوق تھا نہ ابا میں پڑھانے کی سکت پھر مشین کا چرخہ جو بڑی آپا اور چھوٹی آپا نے سنبھالا تو سارے گھر کے مکینوں کی سانسیں جوڑتے جوڑتے ان کے اپنے جوڑ رہ گئے۔ ایسے میں کوئی اچھا رشتہ کہاں سے آتا تھا۔

میں نے کسی طرح میٹرک کر لیا۔ آگے پڑھنے کا مجھے شوق نہ تھا بس اچھا پہننے اوڑھنے کا شوق تھا۔ ٹی وی کا، فلموں کا اور گانوں کا ہماری کٹیا کے علاوہ اس گلی کے سب گھروں میں یہ سہولتیں موجود تھیں۔ جو مجھے گھر میں ٹکنے نہیں دیتی تھیں میں اپنی بہنوں کی طرح صابر اور شاکر نہیں تھی کہ ارمانوں کا گلا گھونٹ کر مشین کے پہیے کی گھوں گھوں میں عافیت ڈھونڈ لیتی۔ انہوں نے اپنے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا اور مجھے حالات سے بغاوت کے دورے پڑتے تھے ابا کی کمر صرف ہماری سانسوں کی ڈور باندھنے میں ہی جھک گئی تھی، وہ اور معاملوں کے بارے میں بھلا کیا سوچتے اور اماں شوہر کی ستی ساوتری بیوی ہمیں قناعت و صبر کی سوکھی روٹی، سمجھوتے کی کڑوی کسیلی چائے میں گھول گھول کر دیتی رہیں جس سے میری بہنوں کے اندر خوشی کی چاشنی کا احساس ہی مر گیا اور میرے اندر جیسے زہر بھر گیا۔

سب کی مخالفت کے باوجود میں نوکری کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ اس چھوٹے سے گھٹن زدہ ڈربے سے باہر کی دنیا کتنی بڑی کتنی حسین تھی اور اماں ہمیں یونہی ڈرا ڈرا کر مارتی رہتی تھیں کہ یہ دنیا بڑی خوفناک ہے۔ کسی بلا سے بھی ڈراؤنی جو ایک بار کسی کو اپنے پنجوں میں جکڑ لے تو وہ ایک ایک سانس اپنے ہاتھوں سے نکال کر اس بلا کے سامنے پیش کرتا ہے پھر بھی تاوان ادا نہیں ہوتا مگر مجھے ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا نوکری کی تلاش میں مختلف دفاتر کے چکر لگا کر میرا ڈر خوف کافی حد تک کم ہو گیا اور نوکری نہیں بھی مل رہی تھی تو کیا باہر نکلنے کا ایک بہانہ تو ہاتھ آ گیا تھا۔ ابا میری منہ زوری کے آگے ہار گئے تھے اور بہنوں نے شاید مجھے کولمبس کا درجہ دے دیا تھا میری بات سب کے لیے حرف آخر ہونے لگی۔

بہر حال تقریباً آٹھ نو مہینوں کے دھکوں کے بعد مجھے نوکری تو نہ ملی ایک دوست مل گئی جو کسی ٹریولنگ ایجنسی میں کام کرتی تھی۔ بس اسٹاپ پر آتے جاتے ملاقات ہونے لگی جو جلد ہی دوستی میں بدل گئی۔ فیاض اس کا کزن تھا جو امریکہ میں ہوتا تھا اور بقول سعدیہ کے اس کا وہاں بہت بڑا اسٹور تھا اور آج کل وہ پاکستان کسی اچھی لڑکی کی تلاش میں آیا ہوا تھا شادی کے لیے، میرے کان کھڑے ہو گئے وہ اچھی لڑکی میں کیوں نہیں ہو سکتی تھی اور میری موٹی عقل میں یہ بات نہ آئی کہ وہ اچھی لڑکی، سعدیہ کیوں

نہیں ہو سکتی جو کہ فیاض کی کزن بھی ہے۔ بہر حال دنیا میں مجھ سے بے وقوفوں کی کمی نہیں ہے۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''فیاض سے میری ملاقات سعدیہ کے گھر پر ہی ہوئی اس نے مجھے پہلی نظر ہی میں پسند کر لیا اور سعدیہ ہی کے توسط سے دو روز بعد اس کا پرپوزل ہمارے گھر آیا۔ ہماری کٹیا میں جیسے بھونچال آ گیا۔ کہاں ٹاٹ کہاں مخمل، سعدیہ کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑی اور میرے ماں باپ نے بھی زیادہ حیل و حجت کے بغیر ایک ہفتے بعد ہاں کر دی۔ جہاں چھ چھ چٹائیں سینے پر دھری ہوں اور ایک ایک سانس آتے آتے من من کا ہو جاتا ہو، وہاں چھان بین کون کرتا ہے پہلے نکاح ہوا اور رخصتی چھ سات ماہ بعد تھی۔

اور ان چھ سات ماہ کے عرصے میں جو جو خواب میری آنکھوں نے بنے اگر میں ان کی تفصیل بتانے بیٹھ جاؤں تو شاید آپ لوگ مجھے پاگل سمجھیں، ان ہی سپنوں کا جھولا جھولتے جھولتے یہاں آ گئی اور اپنے پیچھے گھر والوں کو اسی جھولے میں جھولتے چھوڑ آئی۔

پہلا جھٹکا مجھے ہماری کٹیا سے بھی چھوٹے اس فلیٹ کو دیکھ کر لگا۔ یہاں کی دیواریں تو ہمارے گھر سے بھی زیادہ سیم زدہ تھیں اور چھت میرے قد جتنی مگر یہ چیزیں قابل برداشت ہوتیں اگر فیاض کی یہ اصلیت نہ ہوتی وہ سارا دن نشے میں دھت پڑا رہتا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم اسٹور پر کیوں نہیں جاتے تو کہنے لگا کون سا اسٹور اور ساتھ میں اس نے جو مغلظات بکیں تو میرے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ ابا کے گریجویٹی فنڈ سے جو رقم ملی تھی۔ آدھی سے زیادہ فیاض نے بطور قرض لی تھی کہ اسٹور میں سرمائے کی ضرورت ہے۔ جلد ہی لوٹا دے گا کچھ دن اسی رقم کے سہارے کٹے اور پھر فاقے وہی فاقے جن سے بھاگ کر میں ادھر آئی تھی۔

مگر اس کی اصل شکل میں نے کل شام دیکھی۔ مجھ سے اس کی باقاعدہ چوتھی شادی ہے اور بے قاعدہ خدا جانے کتنویں، اور شادی چاہے باقاعدہ ہو یا بے قاعدہ اس کا مصرف اس خبیث کے نزدیک ایک ہی ہے اور کل اس نے مجھے اس پر راضی کرنا چاہا کیونکہ اس کی آمدن کا یہاں یہی ذریعہ ہے۔ پاکستان کے ایسے ایک پھیرے سے اس کے دو تین سال اچھے گزر جاتے ہیں، میں لاکھ خواہشوں کی غلام سہی لیکن اگر یہی کچھ کرنا تھا تو مجھے یہ بیوپار کرنے کے لیے ہزاروں میل دور آنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام تو اب وہاں بھی ہوتے ہیں اور وہ بھی معقول آمدن کے ساتھ۔ پھر مجھے اس کا سہارا لینے کی کیا ضرورت تھی۔

اور اب میں اس کے ساتھ ایک پل نہیں رہ سکتی۔ میں اس سے طلاق لینا چاہتی ہوں، آپ لوگ میری مدد کریں۔ میں آپ لوگوں کو آتے جاتے دیکھا کرتی تھی۔ اسی لیے رات سیڑھیاں پھلانگ

UrduPhoto.com

کر آپ کے فلیٹ کے سامنے آ گئی کہ ہم وطن ہونے کا آپ لوگ کچھ تو لحاظ کریں گے۔''

آنسو تو اس کے رات سے ایک بار بھی نہیں رکے تھے اور ساری کہانی سنا کر وہ گھٹنوں میں سر دے کر پھر رونے لگی تو ایاز اور مغیث جو غور سے اس کی باتیں سن رہے تھے سوچ میں پڑ گئے۔

پھر کچھ دیر کی صلاح مشورے کے بعد وہ اسے لے کر بیرسٹر افتخار قریشی کے پاس آ گئے، بیرسٹر صاحب پاکستانی تھے اور ایک عرصے سے یہاں پریکٹس کر رہے تھے رابیل کی کہانی سن کر انہوں نے مقدمے کی پیروی کرنے کی ہامی بھر لی اور کیس کے اخراجات مغیث اور ایاز نے اپنے ذمے لے لیے۔ پھر قریشی صاحب کے مشورے اور سفارش پر وہ اسے پاکستان کمیونٹی سنٹر میں مسز ظہیر کے زیر انتظام چلنے والے ٹرسٹ میں لے گئے، جہاں ایسے بے سہارا لوگوں کی اخلاقی اور قانونی مدد کی جاتی تھی۔ رابیل کو وہاں چھوڑ کر وہ دونوں جب واپس آئے تو رات ہو چکی تھی۔ بارے دونوں نے چھٹی کی تھی آتے ہی دونوں یوں پڑ کر سوئے جیسے صدیوں بعد سوئے ہوں۔

☆☆☆

''عظمیٰ بھابھی! آپ کے اسکول میں کوئی ویکنسی ہے۔''

پورے ایک ہفتے بعد اس نے از خود یہ جملہ عظمیٰ سے بولا تھا۔ پورا ہفتہ وہ اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑی رہی۔ رابعہ اسے بارہا کرید چکی تھیں کہ وہ بچوں کو اس طرح چھوڑ کر کیوں آئی ہے اور وہ ہر بار یا تو خاموش ہو جاتی یا پھر کوئی تلخ سا جواب دے کر منہ موڑ لیتی۔ یاسمین نے پہلے دن کی تلخ کلامی کے بعد اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ دونوں بھائی بھی اس کا رخ دیکھتے ہوئے خاموش تھے اور عظمیٰ ویسے ہی بڑی مصروف رہتی تھی۔ آتے جاتے بس حال احوال پوچھ لیتی۔ صبح کو اسکول پھر واپسی پر گھر کے کام اور شام میں گھر کے پانچوں بچوں کو پڑھانا۔ اس وقت بھی وہ بچوں کو پڑھا رہی تھی جب چنکی نے اس سے یہ سوال کیا تھا۔

''نہیں، میرا تو خیال ہے کہ کوئی ویکنسی نہیں۔ کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' عظمیٰ نے سامعہ کا بیگ سمیٹتے ہوئے جواب دیا۔

''ظاہر ہے مجھے جاب کرنی ہے، اس لیے پوچھ رہی ہوں۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''میں پوچھوں گی سر بھٹی سے، شاید کوئی ٹیچر چاہیے ہو نہیں۔'' عظمیٰ نے کہا۔

پھر دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہ ہوئی۔ عظمیٰ بچوں کو پڑھاتی رہی اور وہ خالی بیٹھی نہ معلوم کیا سوچتی رہی۔

''پھپھو! یہ دیکھیں۔ میں نے ٹھیک لکھا ہے؟'' ننھا دانی اپنی کیلی گرافی کی کاپی اس کے آگے

کرتے ہوئے بولا تو اس نے ایک نظر کاپی پر ڈال کر ہلکے سے اس کا گال تھپتھپایا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' تو وہ خوش ہو گیا۔

''عباد کو بھی میں نے کیلی گرافی کی کاپیاں لا کر دی تھیں۔ پتا نہیں وہ لکھتا بھی ہو گا کہ نہیں، کتنے دن ہو گئے ہیں آج اسے دیکھے ہوئے۔ پتا نہیں کچھ ٹھیک سے کھاتا بھی ہو گا کہ نہیں۔ کتنا تیز بخار تھا اسے اس رات، پتا نہیں اب کیسا ہو گا۔ میں اسے کیوں چھوڑ آئی۔'' اس کی آنکھوں میں پانی اکٹھا ہونے لگا۔ ''دعا اس کا خیال تو رکھتی ہو گی مگر ہے تو بچی ہی نا۔ پتا نہیں دونوں مجھے کتنا مس کرتے ہوں گے۔'' دو قطرے اس کے دوپٹے میں گر کر جذب ہو گئے ''ایسا ہوتا تو کوئی تو فون کرتا۔ دعا کو کم از کم ادھر کا نمبر تو یاد ہی ہے۔ میرے خدا میں کیا کروں؟'' شدت جذبات سے اس کا دل پھٹنے لگا۔

وہ تیزی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ عظمیٰ نے اسے ایک نظر جاتے دیکھا اسی وقت رابعہ اندر داخل ہوئیں۔

''کچھ کہہ رہی تھی تم سے پنکی؟'' وہ عظمیٰ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''ہاں جاب کے لیے کہہ رہی تھی اسکول میں۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔ نہ کچھ بتاتی ہے نہ ہمیں پتا کرنے دیتی ہے۔ خدا جانے کیا بات ہوئی ہے کیا نہیں۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ پھٹنے لگا ہے۔ آخر کوئی چھوٹی بات ہے سات آٹھ سال کی گرہستی کو ایک دم چھوڑ کر آ بیٹھنا ماں باپ کے گھر۔ چلو بچوں کو ساتھ لے آتی پھر اور بات تھی۔ میرا دل تو ان معصوموں میں اٹکا ہوا ہے۔ خدا جانے کیا کرتے ہوں گے اور یہ سنگدل یہاں گم صم بنی بیٹھی ہے۔ تم ہی اس سے کچھ پوچھو، میری تو ہر بات کا الٹا جواب دیتی ہے تمہارے ابو بھی سخت پریشان ہیں۔'' رابعہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

''میں پوچھوں گی اس سے۔ ویسے ابھی وہ غصے اور رنج سے بھری ہوئی ہے۔ اللہ جانے کیا بات ہے۔ ابھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں۔ ہاں بچوں والی آپ کی بات ٹھیک ہے ان کو تو ایسے چھوڑ کر نہ آتی۔ ابو اس سے بات کریں کہ عظیم بھائی یا فہیم جا کر انہیں لے آئیں۔ بہت دن ہو گئے ہیں۔'' عظمیٰ نے ہمدردی سے کہا۔

''یاسمین الگ منہ پھلائے پھر رہی ہے کہ مجھ سے پنکی نے بڑے تلخ لہجے میں بات کی تھی۔ وہ سب سے ایسے ہی بول رہی ہے۔ میں تو سوچ رہی ہوں کہ خود جا کر پتا کر آؤں کیا بات ہے۔ بس اسی رات سے اگلے دن حسین کا فون آیا تھا اس کی خیریت معلوم کرنے کو اور بس میں کچھ پوچھ ہی نہ سکی۔ اس کے بعد سے تو ادھر بھی مکمل خاموشی ہے۔'' وہ پریشانی سے بولیں۔

UrduPhoto.com

''بہت سمجھدار ہے پنکی۔ پتا نہیں کوئی زیادہ ہی بڑی بات ہو گی جو یوں اٹھ کر آ گئی۔'' عظمیٰ نے کہا۔

''ہوں۔ کچھ بتائے بھی تو سہی، عجیب عجیب سے خیالات ڈرائے دے رہے ہیں۔'' رابعہ بڑبڑائی۔

پھر دو تین روز بعد ہی عظمیٰ نے اسے بتایا کہ ان کے اسکول میں ایک ٹیچر کی جگہ خالی ہے وہ اپلائی کر دے۔ اس نے درخواست لکھ کر عظمیٰ کے حوالے کی اور رات کو اقبال صاحب سے اجازت لینے ان کے کمرے میں گئی تو وہ بستر پر تکیے سے ٹیک لگائے کسی سوچ میں گم تھے اسے دیکھ کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

''آؤ، آؤ پنکی بیٹا! آؤ بیٹھو۔'' وہ ان کے پاس ہی بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''تم سوئیں نہیں ابھی۔''

''ابو! میں نوکری کرنا چاہ رہی ہوں عظمیٰ بھابھی کے اسکول میں سیٹ ہے۔ میں نے درخواست بھیج دے ہے۔'' وہ ان کے پہلے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''یہ تم مجھے اطلاع دے رہی ہو یا اجازت مانگ رہی ہو؟'' انہوں نے کچھ چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

''آپ جو بھی سمجھ لیں۔'' وہ پاؤں کے انگوٹھے سے کارپٹ کریدتے ہوئے نظریں جھکائے بولی۔

''تو پھر کر لو۔ میری ہاں یا نہ سے تمہیں کیا فرق پڑے گا۔'' وہ تلخی سے بولے۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پنکی! بیٹھو ادھر۔'' انہوں نے ذرا سخت لہجے میں کہا تو وہ بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا ہے بیٹا! مجھے بتاؤ۔'' انہوں نے ذرا نرمی سے کہا۔

''کچھ نہیں ہوا۔ میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ آپ بار بار مجھ سے نہ پوچھیں۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''کیوں نہ پوچھیں۔'' ان کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔ ''تمہیں پتا ہے، تمہاری وجہ سے سارا گھر پریشان ہے۔ تمہاری اس چپ سے کوئی کیا کچھ اخذ کر سکتا ہے۔ تمہیں اس کی پروا ہو یا نہ ہو ہمیں ضرور ہے اور اب تم مجھے پوری بات بتاؤ۔'' وہ ذرا پیار سے بولے۔

''ابو! کوئی کیا اخذ کرتا ہے۔ مجھے واقعی اس کی کوئی پرواہ نہیں۔'' وہ زور دے کر بولی ''اور کیا

ہوا ہے۔ یہ تو مجھے بھی پتا نہیں۔ آپ اگر مجھ سے پوچھیں گے تو خدا کی قسم، میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی اور آپ اسے محض دھمکی نہ سمجھیے گا۔“ اس کی آواز گلے میں بیٹھ سی گئی۔ اس کی بات پر اقبال صاحب چپ سے ہو کر رہ گئے۔

”اچھا مت بتاؤ۔ مگر بچوں کا کیا قصور ہے، انہیں تو یہاں لے آؤ۔“ وہ کچھ دیر بعد بولے ”تمہارا دل اس جدائی کو جھیل سکتا ہے مگر وہ پھول سے بچے یہ سختی نہیں سہہ سکیں گے۔“ ان کی بات پر اس کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔

”انہوں نے بچوں کو میرے ساتھ آنے نہیں دیا ورنہ میں انہیں کبھی چھوڑ کر نہ آتی۔“ وہ روتے ہوئے بولی ”آپ کو کیا پتا میرا ان کے بغیر کیا حال ہے اگر آپ انہیں لا سکتے ہیں تو لے آئیں ورنہ میں ایسے بھی جی لوں گی۔“

کہتے ہوئے تیزی سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی آنسوؤں کے سیلاب نے سارے بند توڑ دیے تھے۔ اقبال صاحب کے دل پر جیسے کسی نے آری چلا دی۔

اگلے ہفتے سے وہ عظمیٰ کے ساتھ باقاعدہ اسکول جانے لگی۔

اس کی چپ میں اس حد تک فرق پڑا تھا کہ بچوں کو پڑھانے سے اس کا دھیان بٹ گیا تھا جس کی وجہ سے اس نے گھر میں بھی تھوڑی بہت بات چیت شروع کر دی تھی مگر جیسے اس کے اور گھر والوں کے درمیان ایک آڑ سی آ گئی تھی نہ تو اس کا رویہ بچوں کے ساتھ پہلا سا بے تکلفانہ تھا نہ بھابیوں کے ساتھ دوستانہ اور ماں سے تو وہ ویسے ہی کھنچی کھنچی سی رہتی۔ جاب کرنے سے وہ تو شاید مطمئن ہو گئی تھی مگر رابعہ کو ایک بے چینی نے گھیر لیا تھا جب معاملہ گرم تھا اگر وہ خود جا کر اگلے روز ساری بات معلوم کر لیتیں تو شاید بات بن جاتی مگر اب اتنے دنوں بعد جانا انہیں عجیب لگ رہا تھا اور کچھ انا کا مسئلہ آ گیا تھا بیچ میں اور وہ تو ابھی بھی کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھی۔ ماں کے ہر سوال کے جواب میں کہتی۔

”کچھ نہیں ہوا۔ بس میں وہاں نہیں رہ سکتی اور کیوں رہوں بھلا؟“ کبھی جھلا کر اور کبھی رسانیت سے وہ ایک ہی بات کہے جاتی۔

اس روز عظمیٰ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور وہ اسکول نہ جا سکی واپسی پر اسکول وین راستے میں خراب ہو گئی۔ ڈرائیور انجن میں خرابی تلاش کر رہا تھا کہ اچانک اسے خیال آیا کہ ذرا آگے تو دعا کا اسکول ہے۔ اس نے گھڑی دیکھی۔

”ابھی چھٹی ہوئی ہوگی۔“ وہ وین سے اتر گئی۔

”اکبر! دیکھو۔ مجھے ذرا ادھر اسکول میں کام ہے۔ تم دونوں بچوں کو گھر اتار دینا اور ان سے کہہ

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

دینا۔ میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔“ وہ ڈرائیور سے کہہ کر پیدل ہی دعا کے اسکول کی طرف چل پڑی۔

واقعی اسی وقت چھٹی ہوئی تھی، اسکول کے باہر بے پناہ رش تھا، وین گاڑیاں اور بچوں کا شور۔

”کہیں وہ چلی نہ گئی ہو۔ اتنے رش میں اسے کیسے ڈھونڈوں؟“

دھوپ سے بچنے کے لیے اس نے سن گلاسز لگائے اور گیٹ کے پاس ادھر ادھر بچوں کو دیکھنے لگی چوکیدار بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر وہ کھڑی رہی۔ بچے گاڑیوں میں بھر بھر کر گھروں کو روانہ ہونے لگے وہ مایوس ہو کر واپس جانے ہی لگی تھی کہ دائیں طرف سے آتی آواز نے اس کے قدم روک لیے اس نے جلدی سے مڑ کر دیکھا تو دعا کھڑی تھی۔

”ماما! ماما!“ وہ رستے میں آئے دو تین بچوں کو ہٹاتے ہوئے تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

”دعا! دعا بیٹا! کیسی ہو تم؟“ اس نے جھپٹ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

”ماما! ماما! آپ کہاں چلی گئی ہیں؟ دادو کہتی ہیں کہ اب آپ کبھی نہیں آئیں گی۔“ وہ رونے لگی۔

”نہیں نہیں بیٹا! میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی۔“ اس نے زور زور سے اس کا منہ چومتے ہوئے کہا۔

”بھائی کیسا ہے۔ عباد ٹھیک ہے؟ اس کا بخار اتر گیا تھا؟“ اس نے بے قراری سے پوچھا۔

”اتر گیا تھا بخار۔ مگر ماما! وہ بہت روتا ہے۔ ہر وقت آپ کو پکارتا رہتا ہے۔ پھوپھو سے بھی چپ نہیں ہوتا، ہر روز ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتے ہیں۔ دادو کو بہت غصہ آتا ہے اس کے رونے پر۔ میں اسے بہت پیار کرتی ہوں مگر وہ پھر بھی چپ نہیں کرتا۔ بس روئے چلا جاتا ہے۔“ دعا اسے جلدی جلدی تفصیل بتانے لگی۔ اس کا دل تڑپنے لگا۔

”اچھا بیٹا! تم اس کا بہت خیال رکھنا۔ میں جلد ہی تم دونوں کو لینے آؤں گی۔ تمہارا وین والا تمہارا انتظار کر رہا ہے، اب تم جاؤ۔“ اس نے امڈ آنے والے آنسوؤں کو ہاتھ سے رگڑتے ہوئے دعا کو اپنے سے علیحدہ کیا۔

”آپ کب آئیں گی۔ کیوں چلی گئی ہیں ہمیں چھوڑ کر۔ ابھی چلیں میرے ساتھ۔“ بچی بے قرار ہو گئی۔

”کہا نا بیٹا! جلد آؤں گی۔ اب تم جاؤ اور یہ تمہارا یونیفارم اتنا گندا کیوں ہے روز نہیں بدلتیں؟“ اس کی نظر شرٹ کے گندے کالر پر پڑی۔

”دو دن بعد بدلتی ہوں اور کپڑے دھونے والی ملازمہ کوئی نہیں آتی۔ پھوپھو دو دن بعد دھلا

ہوا یونیفارم دیتی ہیں، میں اسکول میں اتنا صاف رکھتی ہوں پھر بھی گندا ہو جاتا ہے تو پھوپھو بہت ڈانٹتی ہیں۔ ماما گھر چلیں پلیز۔'' وہ پھر اس کا دامن کھینچ کر بولی۔

''ہاں بیٹا! چلوں گی۔ اب تم جاؤ۔ بھائی کا خیال رکھنا۔ اچھا۔'' اس نے جھک کر اس کے ماتھے پر پیار کیا اور اس کی انگلی پکڑ کر وین کی طرف چل پڑی۔

''گھر میں کسی کو نہ بتانا کہ میں آپ سے ملنے آئی تھی۔'' وین میں بٹھاتے ہوئے اس نے رونی شکل بنائی دعا کو تاکید کی تو اس نے بے دلی سے سر ہلا دیا۔ وین کے جانے تک وہ اسے نظروں میں جذب کرتی رہی۔

''یہ کیا ہو گیا۔ یا میرے خدا! میں کیا کروں؟'' اس نے دھوپ سے چمکتے ہوئے دودھیا آسمان کی طرف سر اٹھا کر بے بسی سے دیکھا۔

گھر آ کر اس سے کھانا بھی نہ کھایا گیا ایسے ہی کپڑے بدل کر کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔

''دعا کتنی کمزور ہو گئی ہے۔'' بیڈ کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے اس نے سوچا ''مجھ سے کہاں غلطی ہوئی۔ کہاں بھول ہوئی جس کی اتنی بڑی سزا مجھے مل رہی ہے۔'' اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

''اس روز جو اس نے مجھے وہ سامنے کی بات کر کے شرمندہ کیا تو میں نے دل میں فیصلہ کر لیا ''خیریت'' سے آگے بات شروع کرنے کا۔ بس مجھے جاب ملنے کا انتظار تھا اور دیکھو قدرت خدا کی دوسرے ہفتے ہی مجھے مقامی بینک میں جہاں میں نے مہینہ بھر پہلے انٹرویو دیا تھا سے اپائنٹمنٹ لیٹر مل گیا۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور ایک مہینہ میں نے بڑی بے چینی سے گزارا اور اگلے ماہ امی کو سمیطہ کے گھر رشتہ لینے بھیج دیا۔ جواب حسب توقع تھا کہ وہ ابھی پڑھ رہی ہے مگر میں نے بھی ہمت نہ ہاری اور چار پانچ دنوں بعد امی کی خفگی کی پروا کیے بغیر پھر سے انہیں بھیج دیا کہ وہ اپنی تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہے۔ انہوں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا۔

امی بڑی جز بز ہو رہی تھیں۔ روایتی ماؤں کی طرح وہ بھی اپنی کوئی بھانجی یا بھتیجی لانا چاہتی تھیں۔ اس لیے وہ بہت خوش نہیں تھیں اور پھر ایک مہینے کے جان لیوا انتظار کے بعد انہوں نے ہاں کر دی۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ گھر میں شادی تیاریاں شروع ہو گئیں اگرچہ ان دنوں گھر کی مالی حالت اتنی مستحکم نہ تھی۔ میری نوکری کو ابھی مہینہ بھر ہوا تھا اور...''

مغیث اپنے پسندیدہ موضوع پر بلا تکان بول رہا تھا اور سامنے بازو سر کے نیچے رکھے چت لیٹا ایاز شاید کانوں میں روئی ٹھونسے بے تاثر چہرہ لیے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

UrduPhoto.com

''ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ ہمارے ہاں کے والدین کیسے ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں وہ بھی بیٹیوں کے معاملے میں۔'' ایاز کی بے تکی پر مغیث نے اسے گھور کر دیکھا۔

''تمہارا مطلب سمیطہ کے ساتھ میرے رشتے سے متعلق ہے؟'' اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''نہیں۔ میں رابیل کی بات کر رہا ہوں۔ اتنے زیادہ کیسز ہوتے ہیں، یہ فراڈ اور دھوکا دہی کے پھر بھی یہ لوگ امریکہ اور لندن کا نام سنتے ہی بیٹی کے نادیدہ اچھے مستقبل کے لیے اسے داؤ پر لگا دیتے ہیں۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

''ہاں یہ تو ہے اور تم اس کے حالات تو دیکھو۔ آخر انہوں نے چھ بیٹیوں کو اسی طرح ٹھکانے لگانا ہے نا۔ کتنے دکھ کی بات ہے۔ انسان اپنے ہی وجود کے حصوں کے ساتھ اس درجہ سفاکانہ سلوک کرے بنا سوچے سمجھے انہیں دھکا دیتا جائے۔'' مغیث نے گہرے انداز میں کہا۔

''خیر، اب اسے پاکستان واپس جانا چاہیے اپنا ملک جیسا بھی سہی۔ وہاں کم از کم اپنوں کا ساتھ تو ہوتا ہے۔'' ایاز نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو اس فیاض چوہے پر حیرت ہو رہی ہے پہلے ہی نوٹس پر اس نے طلاق نامہ بھجوا دیا۔'' مغیث بولا۔

''دھوکے باز ہمیشہ بزدل ہوتے ہیں اگر رابیل اس رات دلیری نہ دکھاتی تو شاید وہ اسے کسی نہ کسی طرح ٹریپ کر ہی لیتا۔ کیس چلنے سے اس کے پچھلے کرتوت کھل جانے تھے۔ اسی لیے اس نے پیچھا چھڑا لینے ہی میں عافیت جانی۔''

''اگرچہ اس رات رابیل نے بڑی ہمت دکھائی مگر پھر جو اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے مسز ظہیر کے آفس جا کر۔ انسان کتنے ہی مضبوط اعصاب کا کیوں نہ ہو ایسے مشکل حالات کا تن تنہا مقابلہ کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ میرا خیال ہے کل تک وہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو جائے گی۔'' مغیث نے قیاس کیا۔

''ہاں ڈاکٹرز کہہ تو رہے تھے کہ اب وہ ٹھیک ہے۔'' ایاز نے سستی سے کہا۔

''ویسے وہ کہہ رہی تھی کہ وہ واپس نہیں جائے گی۔'' مغیث کی بات پر ایاز نے اسے کچھ حیرت سے دیکھا۔

''یہ کب کہا اس نے؟''

''کل صبح جب میں آفس جانے سے پہلے اس کی خیریت دریافت کرنے ہاسپٹل گیا تھا۔''

مغیث نظریں چرا کر بولا۔

''تم تو کل کہہ رہے تھے کہ تم ہاسپٹل گئے ہی نہیں۔'' ایاز نے جتا کر کہا۔

''ذرا سی دیر کے لیے گیا تھا۔ کھڑے کھڑے حال دریافت کیا اور بس۔'' مغیث نے جلدی سے کہا۔

''اور بس! چلو ٹھیک ہے۔ لیکن اسے یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ تم سے اس نے بات کی ہے تو تم ہی اسے سمجھانا۔ یہاں کا ماحول اس کی طبیعت سے میچ نہیں کرتا پھر اکیلی لڑکی کا رہنا کسی طور بھی ٹھیک نہیں۔'' ایاز نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں کہوں گا۔''

''تمہارے گھر سے خط نہیں آیا کافی دنوں سے؟'' ایاز نے پوچھا۔

''ہاں کافی دن ہو گئے ہیں اور میں بھی نہیں لکھ سکا۔ یہ رابیل کے چکر میں وقت ہی نہیں مل سکا۔''

مغیث کھڑا ہو گیا۔

''میرا خیال ہے اب نکلنا چاہیے۔ ذرا سی دیر ہو جائے تو پیٹر صاحب کا موڈ آف ہو جاتا ہے۔'' ایاز کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''میں تو تنگ آ گیا ہوں اس زندگی سے ہر وقت کولہو کے بیل کی طرح جتے رہو۔ چند گھنٹے بمشکل آرام سے نصیب ہوتے ہیں کتنے سالوں سے مجھے لگتا ہے میری نیند پوری نہیں ہوئی۔ پتا نہیں کب اس مشقت سے جان چھوٹے گی۔'' مغیث نے گہرا سانس لیا۔

''تم کچھ دنوں کی چھٹی لیکر گھر کا چکر لگا آؤ۔ پانچ سالوں سے تم مسلسل کام کر رہے ہو۔'' ایاز نے ہمدردی سے کہا۔

''ہاں ہر سال سوچتا ہوں، اس بار جاؤں گا پھر کوئی نہ کوئی کام نکل آتا ہے۔ جب میں پاکستان میں تھا تو میری تھوڑی سی تنخواہ میں گزارہ ہو جاتا تھا اور اب یہاں دو دو نوکریاں کرتا ہوں، اتنے ڈالر بھیجتا ہوں، گھر والوں کی ضرورتیں ہی پوری نہیں ہوتیں اور اب جو یہ پلاٹ کی رٹ لگا دی ہے انہوں نے اچھا بھلا چھ سات مرلے کا گھر ہے ہمارا اور امی کہتی ہیں چھوٹا ہے۔ کل کو دوسرے بھائیوں کی شادیاں ہوں گی تو یہ بہت چھوٹا پڑ جائے گا۔ اب دو کنال پر چھت ڈالنی بھلا کوئی آسان کام ہے مجھے تو لگتا ہے۔ میں یہیں پڑے پڑے بوڑھا ہو جاؤں گا اور یہ ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی۔'' مغیث تلخی سے بولا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

''اس کی وجہ بھی تمہارا رویہ ہے، آخر کیا ضرورت ہے اتنے بڑے پلاٹ کی۔ کل کو اگر بھائیوں کی شادیاں ہوں گی تو وہ خود انتظام کر لیں گے تم کیوں اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال یہاں گنوا رہے ہو۔ مغیث! یہ زندگی بہت مختصر ہے، اسے یوں کاغذ کے ان بے جان ٹکڑوں کے پیچھے مت گنواؤ۔

خواہش نے انسان کو جنت بدر کیا تھا مگر اس نے سبق نہیں سیکھا۔ یہ بذات خود کچھ بھی نہیں۔ انسان جتنا اس کو اپنے اوپر طاری کرتا ہے یہ اسے مغلوب کرتی چلی جاتی ہے اور یہ خواہشات تو محض فریب نظر ہیں پوری ہو بھی جائیں تو بھی چند لمحوں کی خوشی کے سوا کچھ نہیں دیتیں۔''

''میں کب ایسا چاہتا ہوں اگر وطن میں ہی مجھے کوئی اچھی نوکری مل جاتی بلکہ ملی ہوئی تھی تو میں کیوں اس طرح پردیس میں دھکے کھاتا، سمیطہ کس قدر یاد آتی ہے۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں اور بچے۔ بیٹے کو تو میں نے چھو کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ کیسے روتا ہوگا۔ کیسے ہنستا ہوگا۔ اس نے کیسے قدم قدم چلنا سیکھا ہوگا اور توتلی زبان میں اس نے سب سے پہلا لفظ کیا بولا ہوگا۔ خط، تصویریں، فون۔ کہاں تک میری تشنگی کا سامان کر سکتے ہیں۔ ایاز میرے دوست! ایک ایک پل ان کی جدائی کا مجھے تلوار کی طرح کاٹ کر گزرتا ہے۔

خود اذیتی کا یہ تصور کس قدر تکلیف دہ ہے۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ان ہی کا خیال ستاتا ہے اور کوشش کے باوجود میں اس جدائی کو پاٹ نہیں سکتا۔''

اس کی آواز بھرا گئی۔ ''بہن کی شادی، بھائیوں کی تعلیم کے اخراجات، نیا گھر، گاڑی یہ کیا ہے یہ سب وجود رکھتے ہیں اور میری بے بسی میرا احساس کسی کو نظر نہیں آتا۔ ان پانچ برسوں میں ایک بار بھی میرے گھر والوں نے مجھے نہیں لکھا کہ تم واپس آ جاؤ ہم روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر لیں گے۔ اگر وہ منحوس حادثہ نہ ہوتا تو میں کبھی اپنا گھر بار چھوڑ کر نہ آتا۔ اس وقت تو سب کی خواہشیں اتنی منہ زور نہ تھیں اب میں کیا کروں۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ جب سب کی خواہشیں پوری کر دو گے سوچو پھر تمہاری اپنی مری ہوئی آرزوئیں تم سے سوال نہیں کریں گی اور کیا اس قربانی پر سب تمہیں گولڈ میڈل پہنائیں گے، نہیں میرے بھائی یہ سب رشتے محض ضرورتوں کے ہیں اپنی دنیاؤں میں مگن ہو کر انہیں یاد بھی نہیں رہے گا کہ تم نے ان کے لیے کیا کیا تھا۔

ابھی وقت ہے، سوچو یہ ایسی مجبوریاں نہیں کہ تم بندھ جاؤ۔ چودہ کروڑ کی آبادی جس طرح وہاں زندگی گزار رہی ہے تم بھی گزار سکتے ہو یوں ترس ترس کر جیو گے تو تمہارے ہاتھ سوائے تشنہ حسرتوں کے اور کچھ نہیں آئے گا۔'' ایاز نے اسے راہ دکھائی۔

”تم کیوں نہیں جاتے واپس، تمہارا ابھی تو گھر ہے ناوہاں؟“ مغیث نے کہا۔

”میری بات اور ہے۔ اس کو رہنے دو تم۔“ ایاز کہتے ہوئے باہر کی طرف بڑھا۔

”کیوں تمہاری بات اور کیوں ہے، تم مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے کہ مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔“ مغیث نے شکوہ کیا۔

”کچھ ایسا نہیں ہے میری کہانی میں جو سنانے کے قابل ہو۔ میرا خیال ہے چلیں دیر ہو رہی ہے، وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تو مغیث بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔

☆☆☆

انگلش میں ماسٹرز کرنا اس کا خواب تھا لیکن اگر دیکھا جائے تو مغیث احمد جیسے شخص کی ہمراہی کا خواب ایم اے انگلش سے بھی بڑا خواب تھا اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک خواب دوسرے خواب کا رستہ کاٹ کر آگے آ جاتا ہے بلکہ اس طرح چھا جاتا ہے کہ پہلے کا ملال بھی جاتا رہتا ہے اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا اگرچہ آخری دنوں تک اس کا یہی خیال تھا کہ وہ شادی کے بعد بھی اپنی تعلیم جاری رکھے گی لیکن یہ بھی محض اس کا خیال ثابت ہوا کیونکہ شادی کے بعد اسے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملی بلکہ یا وہ خود ایسا نہ چاہتی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مغیث اس کے لیے اپنے دل میں پیار کا اک جہان چھپائے ہوئے ہے اور اس احساس نے ہی اسے کتنے دن تک ساری دنیا سے بے خبر رکھا کہ وہ اس پیار بھرے جہان کی بلاشرکت غیرے مالک ہے۔ چاہے جانے کا احساس کسی بھی نشے سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے، پیار کے دو بول، ہفتوں کسی کے دل و دماغ کو مدہوش رکھ سکتے ہیں اور یہاں تو محبت بھرا پورا دیوان تھا جو دن رات کسی خوشگوار نغمے کی طرح وہ اپنی سماعتوں میں اتارتی رہتی تھی۔

اس گھر میں آ کر اسے ایک بار بھی محسوس نہیں ہوا کہ وہ کسی اجنبی فیملی میں آئی ہے۔ مغیث کی محبت نے اجنبیت اور غیریت کے سب احساسات منہدم کر دیے تھے۔ ان کی فیملی میں آؤٹ آف فیملی شادیوں کے رواج نہیں تھا۔ اس کی دونوں بھابیاں بھی اس کے ماموں اور چچا کی بیٹیاں تھیں، اس لیے اس کے خاندان سے باہر رشتہ کیے جانے پر سب لوگوں نے احتجاج کیا تھا اور تو اور اس کے دونوں بھائی نہیں مان رہے تھے وہ خود گھبرا رہی تھی اور چاہتی تھی کہ ابو انکار کر دیں مگر وہی بات کہ رشتے تو آسمان پر ہی طے ہوتے ہیں اور نیچے والے تو صرف انہیں ملانے کی زحمت کرتے ہیں اس کا رشتہ بھی مغیث سے آسمانوں پر ہی طے ہوا تھا جب ہی تو ابو نے کچھ ہی دنوں میں نہ صرف ہاں کر دی بلکہ اس کی پڑھائی کی رٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے شادی کی تاریخ بھی دے ڈالی اور شادی تک کا وقت اس نے روتے دھوتے گزارا رابعہ کو بھی یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ اکلوتی بیٹی کو اٹھا کر غیروں میں دے دیں خود ان

کے دونوں بھائی سمیعہ کے رشتے کے طلب گار تھے۔ ان کو نظر انداز کرتے ہوئے مغیث کے لیے اقبال صاحب کی ہاں انہیں بہت چبھی تھی۔ لیکن یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔

اور اس کے سارے رونے دھونے شادی کے بعد ختم ہو گئے اور ان کی جگہ قہقہوں اور مسکراہٹوں نے لے لی۔ سب لوگ اچھے تھے۔ مغیث سب بہن بھائیوں میں بڑا تھا پھر حنا تھی۔ اس کے بعد راحیل اور حسیب اور آخر میں مونا۔ ان کے والد کا تقریباً سال بھر پہلے اچانک انتقال ہو گیا تھا۔ خدیجہ بانو کا رویہ اگرچہ بہت اچھا نہیں تھا سب لوگوں کی طرح لیکن برا بھی نہیں تھا۔ شروع شروع میں وہ اس سے کچھ کھنچی کھنچی سی رہتی تھیں مگر بعد میں نارمل ہوتی گئیں۔ مونا نے اسے بتایا کہ امی ایک تو بھائی کی شادی ابھی کرنا نہیں چاہ رہی تھیں۔ دوسرے وہ اپنے کوئی بھتیجی لانا چاہ رہی تھیں لیکن یہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں تھی جس کو وہ بہت محسوس کرتی۔

گھر کے مالی حالات اگرچہ بہت اچھے نہیں تھے کیونکہ ساری ذمہ داری تقریباً مغیث پر تھی۔ راحیل کا انجینئرنگ کا تیسرا سال تھا اور حسیب نے ابھی سیکنڈ ایئر کے پیپر زدیئے تھے یا پھر خدیجہ بانو کے نام ان کے والد کی طرف سے ایک دکان تھی جس کا معقول کرایہ آتا تھا بہرحال اچھا خاصا گزارہ ہو جاتا تھا حنا بی اے کر چکی تھی اور خدیجہ اس کے لیے کسی اچھے رشتے کے لیے انتظار میں تھیں۔

ابھی اس کی شادی کو سال ہی ہوا تھا کہ دعا آ گئی۔ خدیجہ پہلے پوتے کی منتظر تھیں پوتی کو دیکھ کر ان کا موڈ آف ہو گیا جبکہ باقی سب کے ہاتھ جیسے کھلونا آ گیا۔ راحیل اور حسیب کالج سے آتے ہی اسے جھپٹ لیتے۔ سارا دن وہ حنا اور مونا کے پاس رہتی۔ سمیعہ کو تو اس کے لیے بہت پریشان ہونا ہی نہیں پڑا تھا۔ وہ سارا دن پھوپھیوں اور چچاؤں کے پاس رہتی اور سمیعہ کچن میں مصروف رہتی۔

کبھی کبھی اسے خود بھی حیرت ہوتی کہ شادی سے پہلے تو اسے محاورۃً نہیں بلکہ حقیقتاً انڈا ابالنا نہیں آتا تھا اور اس بات پر اس نے خدیجہ بانو کے سال بھر طعنے سنے تھے۔ وہ جب بھی میکے جاتی بھابیوں سے کچھ نہ کچھ سیکھ کر آتی صرف پانچ چھ ماہ میں ہی اس نے سب کچھ پکانا سیکھ لیا تھا اور تب ہی بالکل غیر محسوس طریقے سے حنا اور امی نے کچن مکمل طور پر اس کے سپرد کر دیا۔ وہ سارا دن پیاز، لہسن ہلدی اور مرچوں میں الجھی رہتی۔ دعا کے آنے کے بعد تو اسے ذرا سا آرام کرنے کی بھی فرصت نہ ملتی۔ دوپہر کو وہ سونے کے لیے لیٹتی تو حنا دعا کو اسے دے جاتی اور ماں کی شکل دیکھتے ہی ہوشیار ہو جاتی۔ نیند اس کی آنکھوں سے غائب ہو جاتی اور اس کی کھل کھل کرتی ہنسی اس کی ساری تھکن چن لیتی۔

اور پھر ان دنوں مغیث بھی کس قدر مصروف ہو گیا تھا۔ اس نے کہیں پارٹ ٹائم جاب کر لی تھی صبح کیا کا رات دس گیارہ بجے لوٹتا اور وہ انتظار کرتے کرتے نڈھال ہو جاتی۔ سارا دن گھر کے کام ختم

UrduPhoto.com

نہ ہوتے شام میں راحیل اور حسیب کا کوئی نہ کوئی دوست آ جاتا۔

"بھابی! چائے، بھابی اسکواش، بھابی کھانا، بھابی کچھ اسنیکس بھی ساتھ۔" ساری شام اس کی ان ہی آوازوں پر لبیک کہتے ہوئے گزر جاتی۔ حنا موڈی تھی۔ موڈ ہوتا تو سارا دن لگی رہتی اس کے ساتھ، نہ ہوتا تو کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتی اور مونا کو پڑھائی سے فرصت نہ تھی۔ ماں باپ کا گھر ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی اسے مہینہ مہینہ بھر جانے کی فرصت نہ ملتی۔ امی کے گلے بھرے فون اور بھائیوں کے شکوے وہ مصروفیت کا کہہ کر نظر انداز کر دیتی۔ اسے یاد آتا کہ وہ گھر بھر کی کس قدر لاڈلی تھی بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک اس کے اتنے لاڈ اٹھائے گئے تھے کہ غم یا دکھ جیسی کسی شے سے واقف ہی نہ تھی۔ بھائیوں کی لاڈلی، ابو کی پیاری اور امی کی تو جان تھی اس میں پھر بھابھیاں آ گئیں اور وہ دونوں بھی اس قدر اچھی تھیں کہ لڑائی جھگڑا تو درکنار کبھی تو تکار کی نوبت بھی نہ آئی تھی۔ اس کا کام تو بس ان سے نت نئی فرمائشیں کر کے ڈشز بنوانا اور ہر مہینے دو تین اچھے ڈریسز بنانا تھا اور بس۔

اور شادی کے بعد اس کی زندگی کتنی تبدیل ہو گئی تھی، وہ جو ہل کر پانی نہ پیتی تھی۔ اب سارے گھر کے آگے ٹرے میں کھانا سجا کر پیش کرتی۔ چائے بنا بنا کر تواضع کرتی۔ پتا نہیں محبتیں بلا معاوضہ کیوں نہیں ملتیں؟

ہر محبت کا کچھ نہ کچھ معاوضہ، کچھ تقاضا ہوتا ہے۔ بے لوث محبتیں شاید صرف والدین کرتے ہیں لیکن نہیں ان کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور اگر ان تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے تو یہ محبتیں بھی ننگی ہو کر سامنے آ جاتی ہیں۔ منہ پھاڑ کر تاوان مانگنے لگتی ہیں۔ اسے پتا ہی نہ چلا کب محبت کی مکڑی نے اس کے گرد مصروفیت کا مضبوط جال بن دیا۔ مغیث احمد کی محبت تو سب محبتوں پر حاوی تھی اور وہ اس کی محبتوں کی مقروض ہو چکی تھی۔ بس پور پور بھیگتی گئی اور شکریے کے طور پر اس سے منسلک ہر رشتے، ہر محبت کو ہر صورت نبھانے کی سعی کرتی چلی گئی۔ حنا کی فرمائش سب سے اہم ہوتی چاہے وہ رات کے آٹھ بجے چکن بریانی ہی کی فرمائش کرتی اور مونا جتنی مغیث کی پیاری تھی۔ اسے خود بخود ہو گئی تھی۔ اسے خوب صورت ملبوسات کا جنون تھا اور اپنے جہیز کے انتہائی قیمتی اور خوب صورت کپڑے اس نے آرام سے مونا کے حوالے کر دیے اور جب وہ انہیں ٹھیک کروا کر پہنتی اور خوش ہوتی تو اس کی خوشی کا احساس ہی سمیطہ کو نہال کر دیتا اور خدیجہ بانو کی بات اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ اسی لیے تو وہ ان کے کہنے پر فجر کے وقت اٹھ جاتی۔ اپنے گھر میں اس کی صبح نو بجے سے پہلے کبھی نہیں ہوتی تھی اور حسیب تو ویسے ہی بہت اچھا تھا۔ مغیث کی طرح گم اور چپکے چپکے سب کا خیال رکھنے والا اس نے کبھی سے بے جا بات نہیں کی تھی اور وہ اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خود ہی خیال رکھنے لگی تھی۔

اور راحیل، راحیل کی بات اور تھی۔ سارے گھر میں رونق اسی سے تھی۔ وہ گھر میں ہوتا تو گھر کی دیواریں بھی جیسے شور مچانے لگتیں۔ مغیث کے بعد وہ بہت جلد جس سے بے تکلف ہوئی تھی وہ راحیل تھا۔ اس کے ہر کھانے کی خواہ وہ کتنا ہی بدذائقہ کیوں نہ ہوتا، وہ برملا تعریف کرتا۔

"بھابی! آپ بلیک کلر پہنا کریں، یہ کلر آپ پر سوٹ کرتا ہے۔"

وہ کہتا اسے خود بھی پتا تھا کہ بلیک کلر اس کی گوری رنگت پر کتنا کھلتا ہے۔ یہ بات شادی کے شروع کے دنوں میں دو ایک بار مغیث نے بھی اس سے کہی تھی۔ اس نے اگلی شاپنگ میں ہی دو تین بلیک کلر کے سوٹ خرید لیے تھے مگر اب تو مغیث کو فرصت ہی نہ ہوتی تھی، وہ جو بھی کلر پہن لیتی۔ رات تک اس کی تھکن زدہ نظروں میں اس کا رنگ ایک جیسا ہی ہو جاتا تھا۔ کتنی بار وہ شام کو اہتمام سے تیار ہوتی کہ اگر آج وہ جلدی آ جائے تو وہ کہیں باہر جائیں یا امی کی طرف ہو آئیں اور رات دس گیارہ بجے تک جب وہ خود بھی اپنی ڈریسنگ سے اکتا جاتی تو وہ تھکے ہوئے لہجے میں آ کر صرف کھانے کی فرمائش کرتا تو اس کا جی جل کر رہ جاتا۔ اس نے خود پر توجہ دینا ہی چھوڑ دی۔

اور کتنی بار کی پڑھی یہ بات اس کو یاد آ جاتی کہ عورت بھی عجیب چیز ہے۔ مل جائے تو نظر نہیں آتی نہ ملے تو اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

مغیث کا بھی شاید یہی حال تھا جب تک وہ اسے ملی نہ تھی، دن رات سوتے جاگتے اسے اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا اور اب وہ اس کی دسترس میں تھی تو نظر ہی نہیں آتی تھی جیسے وہ بھی اس کی روٹین کا حصہ بن گئی تھی۔ میاں بیوی کا رشتہ اگر روٹین کا حصہ بن جائے تو زندگی سے ہر طرح کی کشش ختم ہو جاتی ہے اور روٹین کے کاموں سے اعصاب تھکنے لگتے ہیں۔ اسے بھی یہی لگتا کہ دو ڈھائی سالوں میں ہی جیسے وہ تھکنے لگی تھی۔

"بھابی! اس بار عید پر آپ بلیک کلر کا سوٹ بنوایئے گا یا پھر ڈارک میرون یا براؤن، یہ کیا آپ نے ڈل ڈل سے کلر پہننے شروع کر دیے ہیں ماسیوں جیسے۔"

وہ روٹیاں پکا رہی تھی جب راحیل نے سالن کے ڈونگے کا ڈھکن اٹھاتے ہوئے اس سے ڈل گرے کلر کے سادہ سوٹ میں دیکھ کر کہا تھا تو وہ جیسے چونک اٹھی اس کا حلیہ بھی تو ان دنوں ایسا ہو رہا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔ عید تو بچوں کی ہوتی ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ اس بار دعا کا ریڈ کلر کا فراک بنواؤں۔ صبح کو وہ پہن لے گی اور بعد میں ریڈی میڈ فراک۔" اس نے پھلکا توے سے اتارتے ہوئے کہا۔

UrduPhoto.com

''وہ تو پہنے گی ہی مگر آپ بھی تو اپنا خیال رکھا کریں، ہر وقت فضول کاموں میں لگی رہتی ہیں۔'' وہ موضوع جسے وہ اپنے تئیں بھلا چکی تھی وہ اسے یاد کرا رہا تھا۔

''اگر یہ فضول کام ہیں تو ان کے نہ ہونے پر سب سے زیادہ تمہارا حشر ہو کیونکہ تم ہی سے بھوک برداشت نہیں ہوتی۔ مونا! سب کو آواز دو۔ کھانا لگ گیا ہے۔'' اس نے دروازہ سے داخل ہوتی مونا سے کہا۔

''چلیں فضول نہ سہی لیکن یہ بھی نہیں کہ ان کی وجہ سے انسان خود کو بھلا بیٹھے۔ ابھی آپ کی شادی کو تین سال بھی نہیں ہوئے اور یوں لگتا ہے جیسے دس سال ہو گئے ہیں اور وہ بھائی صاحب یوں سنجیدہ رنجیدہ سے پھرتے ہیں جیسے بیٹی بیاہنے جا رہے ہوں۔ حنا کی شادی میں بھی آپ نے وہی کپڑے پہنے تھے اپنی شادی والے بکسوں سے نکال نکال کر۔''

''وہ کون سے پرانے ہو گئے تھے سال ڈیڑھ سال میں جوان کو بیکار کر دیتی پھر بھی اس نے دو نئے سوٹ کو بنا ہی لیے تھے، اتنی ذمہ داریاں ہوں جب سر پر تو اپنے چونچلے اٹھاتا انسان اچھا نہیں لگتا۔'' خدیجہ بانو اندر آ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے تنقیدی انداز میں بولیں۔

''لیکن امی! یہ بھی تو کوئی طریقہ نہیں کہ ہر وقت انسان گھسیارا بنا رہے۔'' سمیطہ کے گھورنے کے باوجود راحیل اپنی ہانکے جا رہا تھا۔

''تم اپنی بیوی کو ہر وقت آئینے کے سامنے بٹھائے رکھنا۔ میاں یہ سب پیٹ بھرے کی باتیں ہیں۔ ذرا نوکری سے لگ جاؤ نا اور شادی کر لو تو پھر پتا چلے گا کہ آٹے دال کا بھاؤ کیا ہے اور اس پر کوئی پابندی ہے جو یہ اس طرح کا حلیہ بنائے پھرتی ہے تاکہ لوگ اس پر ترس کھائیں۔ ارے بچے تم نہیں جانتے عورت ذات کو، بڑے چلتر آتے ہیں اسے خود کو مظلوم ظاہر کرنے کے۔''

وہ چولہے کے آگے سن کھڑی رہ گئی۔ تنقید کرتے وقت وہ یہ بھول گئیں کہ وہ کس صنف کو نشانہ بنا رہی ہیں اور اس کی زد میں ان کی اپنی ذات بھی آ رہی ہے۔ لیکن اس بات کا احساس تو اس وقت شاید اسے بھی نہ ہو سکا۔ آنکھوں میں ایک دم سے جلن ہونے لگی اور وہ دعا کو دیکھنے کے بہانے باہر نکل گئی تھی۔

انسان سب کو خوش کرنے کے چکر میں کسی کو بھی خوش نہیں کر سکتا اور وہ بھی اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ کوئی بھی اس کی محبت سے، خدمت سے، بہت راضی نہیں تھا۔ وہ ان سب کا حصہ بننے کے باوجود سب سے علیحدہ تھی، کسی پیوند کی طرح جو کپڑے کے عیب تو ڈھکتا ہے مگر خود کسی عیب ہی کی طرح نظر آتا ہے کپڑے کا حصہ بھی اور اس سے علیحدہ بھی اور اس کپڑے کے Texture

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

(ساخت) کا حصہ بننے کے لیے ابھی کتنا وقت، کتنی خدمت درکار ہوگی۔ یہ تو اسے پتا نہیں تھا لیکن یہ بہر حال اسے پتا چل گیا تھا کہ سب کو راضی کرنے کے چکر میں وہ خود سے مکمل طور پر غافل ہو چکی ہے جب ہی تو وہ رات کو چاہے جاگ رہی ہوتی یا سو رہی ہوتی مغیث کے لیے اس کی حیثیت برابر ہوتی تھی۔

کبھی کبھی دوسروں کو اپنی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے خود کو اہمیت دینی پڑتی ہے۔ اس نے بھی ذرا غور کیا تو اسے پتا چلا کہ کسی اور کا تو کچھ نہیں بگڑ رہا بلکہ سب کی بستر پر بیٹھے سب کی ضرورتیں ہاتھ پیر ہلائے بغیر پوری ہو جاتی ہیں۔ اس کا البتہ نقشہ بگڑ رہا ہے۔ آخر کیوں؟

جب مغیث سب کی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے۔ سب کی فرمائشیں پوری کرتا ہے وقت نہ ہونے کے باوجود مونا کو اس کی کسی دوست کے گھر پک اینڈ ڈراپ کر سکتا ہے۔ اپنی نوکری کی ٹائٹ ٹائمنگ میں سے لازمی وقت نکال کر خدیجہ بانو کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے لے جا سکتا ہے۔ راحیل کے مختلف انٹرویوز کے لیے اس کی تیاری کروا سکتا ہے۔ حسیب کی میڈیکل کی تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے پارٹ ٹائم جاب کر سکتا ہے تو سمیطہ کے لیے اس کے پاس اتنا بھی وقت نہیں ہوتا کہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ بعد اس کے ساتھ اس کے والدین کے گھر چلا جائے۔ یہ ڈیوٹی بھی سال بھر سے راحیل نے سنبھال رکھی تھی اسے خود سے فرمائش کرنا نہیں آتی تھی، تو کیا اسے نظر نہیں آتا تھا کہ وہ تین چار سالوں سے موسموں کے لحاظ سے بدل بدل کر وہی پرانے کپڑے پہن رہی ہے یا اس نے آخری بار اس کے لیے شاپنگ کب کی تھی۔ کیا بیوی بننے کے بعد اس کے اندر سے اچھا لگنے اور رہنے کی سب خواہشیں مر گئی تھیں۔

جب وہ بہنوں کے لیے، ماں کے لیے، بھائیوں کے لیے چیزیں خریدتا تھا تو بیوی کے لیے اس کی جیب تنگ کیوں پڑنے لگتی تھی اور جیب بھی وہیں تنگ پڑنے لگتی ہے جہاں دل تنگ پڑ جائے۔

اس کی بھابھیاں شادی کے اتنے سالوں بعد بھی سر شام بن ٹھن کر تیار ہوتی تھیں اور اپنے شوہروں کے ساتھ کہیں نہ کہیں ضرور جاتی تھیں۔ چاہے ہفتے میں ایک آدھ بار ہی سہی اور مہینے میں ایک دو نئے سوٹ بھی ضرور بنواتی تھیں اور سال میں نئے ڈیزائن کے ایئر رنگز وغیرہ بھی ضرور بنواتیں اور اس کے پاس تو وہی شادی والا زیور تھا جسے وہ تقریباً ہر جگہ کئی کئی بار پہن چکی تھی۔ اسے خود تو اس بات کا احساس نہ ہوتا تھا لیکن بھابھیاں یا کوئی کزن ٹوکتی تو اسے خیال آتا کہ ایک آدھ چیز نئی بنوانی چاہیے مگر جب مغیث کے معاشی حالات کا اسے خیال آتا، وہ فوراً ایک ذمہ دار اور جاں نثار قسم کی بیوی بن جاتی۔

لیکن کیا ذمہ داری اور جاں نثاری صرف اس کا فرض تھا؟ کیا مغیث کی اس سے متعلقہ سب ذمہ داریاں ختم ہو گئی تھیں؟

اور جب اس نے مغیث کو عباد کے آنے کی خوشخبری سنائی تھی تو اس نے کتنے عجیب لہجے میں کہا تھا جب تک حسیب اور راحیل کی تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی۔ وہ مزید ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتا، تو اس وقت اس کا دل چاہا تھا کہ اس سے خوب لڑے، اسے آئینہ دکھائے اور اس سے پوچھے کہ وہ پہلے کون سی ذمہ داریاں نبھا رہا ہے سمیطہ اور دعا کے کپڑے ہر موسم کے بدلنے پر امی کی طرف سے آجاتے تھے، وہ خود جاتی تو بھابھیاں اسے کبھی خالی ہاتھ نہ آنے دیتیں، جوتے کپڑے اور دعا کے کھلونے لیکن ان سب کے باوجود اس کا دل چاہتا کہ سال میں ایک سوٹ ہی سہی اس کے لیے مغیث لے کر آئے تو اس کے سارے گلے آپوں آپ مٹ جائیں گے۔

لیکن اسے تو راحیل، حسیب اور مونا کی ذمہ داریاں نبھانا تھیں، جن کے خیال نے اسے باقی کی سب ذمہ داریوں سے سبکدوش کر رکھا تھا۔ اس دن سے اس نے بھولے سے بھی کبھی اس سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔

شوہر اور بیوی کا رشتہ چاہے جتنی محبتوں کے خمیر سے کیوں نہ گوندھا جائے۔ اس میں اگر انا شامل ہو جائے تو پھر کتنی ہی کوشش کر لو۔ روٹی کی شکل میں کہیں نہ کہیں کمی ضرور رہ جائے گی۔

اور یہی ان دونوں کے درمیان ہوا، ان کے درمیان غیر محسوس طریقے سے انا آ گئی۔ راحیل کے اس دن کے تبصرے کے بعد اس نے اپنا خیال رکھنا شروع کر دیا اور ہر ایک کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوڑنا کم کر دیا۔ جب انسان کو اپنی اہمیت کو تھوڑا سا احساس ہو جائے تو دوسروں کو نظر انداز کرنا زیادہ مشکل نہیں رہتا۔ اور اس کی اس تبدیلی کا احساس بھی سب سے پہلے راحیل کو ہوا۔

''شکر ہے، ہماری بھابھی کو بھی کچھ خیال آیا اپنی ڈریسنگ کا ورنہ تو جب دیکھو سر جھاڑ منہ پہاڑ کے مقولے پر عمل کرتی نظر آتی تھیں۔ ایسے کلر پہنا کریں کہ کسی کو نظر آ سکیں۔''

اس نے چائے پیتے مغیث کو دیکھ کر ذومعنی انداز میں کہا تو مغیث نے واقعی اسے ذرا غور سے دیکھا۔ وہ جھینپ گئی۔

''ارے بھئی ہم کون سا ان پر پابندی لگاتے ہیں۔ ان کی جیسی مرضی ہوتی ہے، ویسا حلیہ بنائے رکھتی ہیں۔''

خدیجہ بانو نے کچھ بے نیازی دکھاتے ہوئے کہا اور کتنے دنوں بعد مغیث نے اس سے باہر چلنے کی فرمائش کی تو اسے یقین ہو گیا کہ دوسروں سے خود کو منوانے کے لیے پہلے خود کو منوانا پڑتا ہے۔

وہ کتنے دن خود کو بھولی رہی تو سب اس کو بھولے رہے، اس نے خود کو مانا تو جیسے سب کو نظر آنے لگی۔ یہ اچھا لطیفہ تھا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

پھر ستائش کس کو اچھی نہیں لگتی اور عورت تو تعریف کے دو بولوں کی بھوکی ہوتی ہے۔ اس کی شان میں دو بول بول دو، کتنے دن اس کے خمار میں ڈوبی رہے گی۔

لیکن اچانک وہ واقعہ ہو گیا جو ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔

''پنکی بیٹا! کیا بات ہے۔ طبیعت ٹھیک ہے تمہاری جو اسکول سے آتے ہی ایسے لیٹ ہو گئی۔'' رابعہ نے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھے ہوئے پیار سے کہا تو وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آ گئی

''کھانا بھی نہیں کھایا تم نے۔'' ماممتا فکر مند تھی اور وہ خود اپنی مامتا کو خیالوں کی تھپکیوں سے سلا رہی تھی۔

''جی ٹھیک ہوں۔ بس ویسے ہی لیٹ گئی تھی۔'' وہ تھکی ہوئی آواز میں بولی۔

''اسکول سے بھی دیر سے آئی ہو، کوئی کام تھا وہاں؟'' ان کا لہجہ ہنوز فکر مند تھا۔

''جی!'' پتا نہیں کب ان کے بیچ یہ اجنبیت آ گئی تھی۔

''اچھا چلو۔ اٹھ کر منہ ہاتھ دھو کر کچھ کھا پی لو۔ تمہارے ابو بھی تمہارا پوچھ رہے ہیں۔'' وہ بولیں تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

میں کھانا یہیں لا دوں؟'' وہ اسے اسی طرح بیٹھے دیکھ کر بولیں۔

''نہیں امی! میں آ رہی ہوں۔'' وہ تو خود شرمسار تھی کہ سارا گھر اس کی وجہ سے پریشان تھا۔

☆☆☆

تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟'' مغیث کافی دیر سے آ چکا تھا، ایاز کو کل سے بخار تھا اس لیے وہ فلیٹ پر ہی تھا۔ مغیث واش روم سے منہ ہاتھ دھو کر نکلا تو ایاز جاگ چکا تھا۔ مغیث نے اس کا حال پوچھا۔

''ٹھیک ہوں اب، پہلے سے بہتر۔'' وہ لال سرخ آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر بولا اور تکیہ سر سے اونچا کر کے ذرا سا اٹھ گیا۔

''تم نے کچھ کھایا تھا؟'' مغیث اس کے پاس آ بیٹھا اور ہاتھ لگا کر اس کی پیشانی کو چھوتے ہوئے بولا۔

''ہاں، دودھ لیا تھا، ساتھ میں دوا بھی۔'' ''تم آج جلدی آ گئے۔''

''ہاں مسٹر پیٹر تمہارا پوچھ رہے تھے، میں نے بتایا تو ازراہ ہمدردی مجھے ایک گھنٹہ پہلے چھٹی دے دی ورنہ بار میں تو بڑا رش تھا۔ ویسے یار! یہ گورے بھی عجیب مخلوق ہیں۔ سارا دن ڈالروں کے پیچھے پاگل کتوں کی طرح بیگار میں جتے رہتے ہیں اور شام کو سارے ڈالر لال پانی میں بہا دیتے ہیں۔ ویسے آرکسٹرا تمہارے بغیر اداس تھا۔'' وہ اپنے بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ہونہہ، کوئی کسی کے بغیر اداس نہیں ہوتا۔ یہ تو پھر میوزیکل انسٹرومنٹس ہیں، یہاں تو انسان پل میں صدیوں کے ساتھ کو فراموش کر دیتا ہے۔'' وہ ہنکارا بھر کر بولا تو مغیث اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم انسانی رشتوں سے، انسانی محبتوں سے اتنے خائف کیوں ہو۔''

''کیونکہ میں ان کی حقیقت کو جانتا ہوں۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

''حقیقت تو ہر حال میں تلخ ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ان ہی حقیقتوں کو جانتے بوجھتے جھٹلانا پڑتا ہے، ان ہی کے بیچ سے تو خواب نکلتے ہیں۔''

''جو محض سراب ہوتے ہیں۔'' اس کا لہجہ کڑوا تھا۔

''سراب ہوتے ہیں مگر آس تو ہوتے ہیں۔ صحرا کا سفر کتنا ہی دشوار گزار اور پیاسا کیوں نہ ہو۔ سراب ہی مسافر کو زندہ رکھتا ہے اور خواب ہی جینے کی امید بندھاتے ہیں۔ یہ آس اور امید اگر نہ ہو تو کوئی اگلے دن بیدار ہونے کی تمنا نہ کرے۔'' مغیث نے کمبل ٹانگوں پر لیا۔

''فائدہ؟ جب تلاش لاحاصل کا نتیجہ سراب ہو اور یہ علم بھی ہو تو خود کو دھوکا دینے سے تھکانے سے فائدہ؟'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔

''میرے بھائی! فائدہ نقصان کیسا؟ یہ زندگی کوئی کاروباری معاملہ تو نہیں اور رشتوں میں اتار چڑھاؤ تو آتے ہی رہتے ہیں۔ کسی ایک دھوکے کو کسوٹی بنا کر ہم ہر رشتے، ہر محبت کو مسترد نہیں کر سکتے۔ جینے کے لیے ہمیں کسی نہ کسی پر بھروسا کر کے اس کا ہاتھ تھامنا ہی پڑتا ہے۔'' مغیث مربیانہ انداز میں بولا۔

''چاہے یہ ساتھ دو گھڑی کا ہو۔'' وہ طنز سے ہنسا۔

''دو گھڑی کا ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ زندگی ہے کتنی، چار گھڑی اور اس سے بڑا الگی کوئی نہیں جسے دو گھڑی کا ساتھ مل گیا۔ تم پر آج قنوطیت طاری ہے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا ''دیکھو ایاز! میں نے اپنی زندگی کا معاملہ تم سے شیئر کیا ہے اور تم نے اتنے عرصے کی رفاقت میں ایک بار بھی مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتا سکو۔ پھر بھی تم مجھے دوست کہتے ہو۔'' کتنی بار کا دہرایا ہوا گلہ اس کی زبان پر آ گیا۔

''معلوم نہیں تمہیں میرے بارے میں کیا تجسس ہے، حالانکہ نہ بتانے کی کوئی خاص وجہ نہیں ماضی کے واقعات وہ دہراتا پھرے جسے حال سے کچھ امید ہو یا وہ مستقبل کے لیے کوئی بڑے بڑے خواب دیکھتا ہو۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ میں بس زندگی کو ایسے ہی گزارنا چاہتا ہوں جیسے یہ گزر رہی ہے۔'' وہ ٹالنے والے انداز میں بولا تو مغیث نے اسے کچھ خفگی سے دیکھا اور منہ پھیر کر لیٹ گیا۔

UrduPhoto.com

''اچھا چلو، ناراض نہ ہو۔ میں بتاتا ہوں۔'' ایاز نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا تو وہ فوراً متوجہ ہو گیا۔

''یہ تو تمہیں پتا ہی ہے کہ میرا تعلق بلوچستان سے ہے۔ وہاں ''کچھ'' سے آگے ایک گاؤں ہے ''کورس'' میرا گھر وہیں تھا۔ ہم تین بہن بھائی تھے بھائی مجھ سے بڑا تھا اور بہن مجھ سے کافی چھوٹی تھی۔ ہمارا چھوٹا سا سیبوں کا باغ تھا، بھائی اور باپ دونوں وہاں پر کام کرتے تھے۔ بہن تارا مجھے بہت پیاری تھی بلکہ ہم دونوں میں بے مثال پیار و محبت تھی۔ بھائی نے تعلیم بالکل حاصل نہیں کی، مجھے پڑھنے کا شوق تھا۔ پہلے مسجد مکتب اور پھر ''اڑک'' میں اسکول تھا وہاں اور بعد میں کوئٹہ تعلیم کے حصول کے لیے گیا۔ تارا کو بھی پڑھنے کا شوق تھا لیکن وہاں ایسی کوئی سہولت نہ تھی۔ میں نے اسے اردو لکھنا اور پڑھنا سکھا دیا تھا۔

ہمارا گھر بلوچوں کی ساری نمائندہ خصوصیات کا حامل تھا۔ مہمان نوازی سے لے کر غصہ اور غیرت کی نمود تک یہ سب میرے باپ اور بھائی میں موجود تھے۔ میری ذہنیت تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے یا گھر سے دور رہنے کی وجہ سے ان سے مختلف ہو گئی تھی۔ میں جب بھی گھر جاتا، تارا کے لیے چھوٹی چھوٹی ڈھیر ساری چیزیں لے کر جاتا پہلے گڑیاں چھوٹے چھوٹے کھلونے اور پھر چوڑیاں، رنگین پراندے شیشے والی جوتیاں اور خوب صورت شالیں۔ وہ دن گن گن کر میرے آنے کا انتظار کرتی تھی۔ مغیث میرے دوست! میں تمہیں کیا بتاؤں، وہ مجھے کتنی پیاری تھی۔''

اس کی آواز بھرا گئی۔

''اس کی موہنی صورت آج بھی میری آنکھوں کی پتلیوں پر جمی ہوئی ہے جو نہ آنسو بہانے سے زائل ہوتی ہے اور نہ سونے سے مٹتی ہے۔ یہ محبتیں ہمیں جیتے جی مار دیتی ہیں۔'' اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لی۔

''ماں کو دق ہو گئی۔ پتا نہیں کیسے حالانکہ ماں ایک صحت مند عورت تھی۔ خوب مضبوط اور توانا جسم کی مالک پہاڑوں کے لوگ چھوٹی چھوٹی بیماریوں کے آگے نہیں ہارتے۔ بس اس کا بخار بگڑ گیا پھر نمونیہ ہو گیا جس سے اس کے پھیپھڑے متاثر ہو گئے۔ خاندانی دیسی نسخوں سے اس کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ میں نے سب سے کہا کہ ماں کو کوئٹہ لے چلتے ہیں نہ بھائی نے میری بات مانی نہ ابا نے۔

سیکنڈ ایئر کی چھٹیوں میں میں گھر گیا، ماں کی طرف سے بڑی فکر تھی لیکن وہاں دوسرا ہنگامہ منتظر تھا۔ گاؤں کے اسکول میں کوئی ٹیچر آیا تھا۔ اس کا خط غلطی سے ہمارا گھر آ گیا۔ تارا نے خط پر لکھا ایڈریس پڑھا اور خط ماسٹر کو دینے چل پڑی اور انجانے میں موت کی پگڈنڈی پر پہلا قدم رکھ بیٹھی۔

انسان پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک صرف ایک چیز کے لیے تڑپتا ہے، رزق تو اسے مل ہی جانا ہوتا ہے۔ تڑپتا تو وہ محبت کے لیے ہے، توجہ کے لیے۔ جوں جوں وہ عمر کی منزلیں طے کرتا ہے یہ طلب بڑھتی ہی جاتی ہے۔ بچہ ہوتا ہے تو ماں باپ کی محبت پھر بہن بھائی کی محبت پھر گلی محلے کے دوستوں اور ہجولیوں کی اور پھر پتا ہی نہیں چلتا کب ان سب محبتوں کے ہوتے ہوئے اس کا دامن خالی ہو جاتا ہے جسے پھر صرف ایک ہی محبت بھر سکتی ہے اور وہ ہے محبوب کی محبت، میری وہ معصوم بہن بھی ان دشوار گزار گھاٹیوں پر نہ صرف چڑھنے لگی بلکہ اتنی دور نکل گئی کہ میری محبت بھری صدا بھی اسے واپس نہ بلا سکی۔

ادھر ماں کی حالت انتہائی خراب تھی۔ ادھر تارا بہزاد کے ساتھ خدا جانے کہاں چلی گئی تھی۔ ماں خون اگل رہی تھی اور ابا اور بھائی کے سروں پر خون سوار تھا۔ میری منت سماجت بھی انہیں نہ روک سکی۔ وہ ان دونوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور تیسرے دن جب ماں کی گڑھوں میں دھنسی آنکھوں میں زندگی کی ذرا سی رمق باقی تھی، وہ ان دونوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکاتے ہوئے لے آئے۔

"مغیث! میں تمہیں کیسے بتاؤں میری آنکھوں کے سامنے۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شدت ضبط سے اس کی آواز پھٹنے لگی اور آنکھوں سے جیسے خون چھلکنے لگا۔ "میری آنکھوں کے سامنے ماں کے بستر کے پاس انہوں نے ان دونوں کو پل بھر میں اکٹھے موت کے سفر پر روانہ کر دیا۔ ان کے جسموں سے نکلنے والے گرم خون کے فواروں نے میرے باپ اور بھائی کے سینے یکدم ٹھنڈے کر دیے اور وہ سرخرو ہو کر ماں کی طرف بڑھے۔ جس کے سینے میں آخری سانس اٹکی ہوئی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ بھی بیٹی کے ساتھ جا ملی، موت کے سفر میں۔ وہ دونوں چلی گئیں اور میرا زندگی کے ہر رشتے، ہر محبت سے اعتماد بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔

خون کے رشتے کیا ہوتے ہیں؟ تم اپنے جسم سے بوتل خون نکال کر کسی دوسرے کو لگا دو، اس سے تمہارا خون کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔ یہی ہے بس اس کی اہمیت۔" وہ بیڈ کی پٹی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے وحشت جھلک رہی تھی "اگر رشتوں میں احساس کا رشتہ نہیں ہے تو پھر یہ خون کا رشتہ بے معنی ہے اور اس سے بڑا جھوٹ بھی اور کوئی نہیں اور میں نے بھی ایسے سارے جھوٹے رشتوں سے ناتا توڑ لیا ہے۔ کتنا ہی عرصہ دھر ادھر دھکے کھانے کے بعد یہاں آ بسا۔ یہاں وہاں سے اب مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا بس اس کا تمہیں تجسس تھا۔" وہ چپ ہو گیا تو مغیث کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیسے اس کے غم کو شیئر کرے۔

"لیکن یہ کہانی میری ہے تمہارا تجربہ زندگی کے رشتوں کے بارے میں اور ہے۔" وہ کچھ دیر بعد اپنی آواز کو نارمل بناتے ہوئے بولا۔ "اسی لیے کہتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ۔"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"کیسے واپس جاؤں، ہاتھ میں بھی تو کچھ ہو۔ جو کچھ اکٹھا کیا تھا پلاٹ خرید لیا ہے، وہاں جا کر کیا کروں گا۔ نوکری تو ملنے سے رہی۔"

"یہ بھی تمہارا وہم ہے، لوگ ہر بات کو بڑی جلدی بھول جاتے ہیں۔ تم دل سے لگا کر بیٹھ گئے ہو۔"

"پھر بھی اب اچھی نوکری کہاں ملے گی، سوچ رہا ہوں دو چار سال اور لگا لوں۔ اچھی بھلی زندگی بسر ہو رہی تھی نہ اس روز بینک میں ڈکیتی ہوتی اور اگر ہو بھی گئی تھی تو کم از کم میں ان لوگوں کو نہ پہچانتا اور اگر پہچان بھی لیا تھا تو منہ بند رکھ لیتا۔ وہ تینوں میرے کلاس فیلو تھے۔ ایک کا نقاب سرک گیا اور میں اس کا نام لے بیٹھا۔ بعد میں منیجر نے پولیس میں میرا نام دے دیا، پورے چار ماہ حوالات میں کاٹے۔ اگر سمیطہ کے والد اور بھائی دوڑ دھوپ نہ کرتے تو شاید میں ابھی تک جیل میں سڑ رہا ہوتا نوکری تو گئی عزت سادات بھی گئی۔ چار ماہ سرکار کا مہمان رہنے کے بعد مجھے کس نے نوکری دینی تھی۔ اقبال انکل نے چاہا کہ کچھ سرمایہ لگا کر وہ مجھے کوئی کام شروع کروا دیں۔ ایک تو مجھے کاروبار کا تجربہ نہیں تھا دوسرے میں مزید ان کے احسانات کا بوجھ اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ بس اللہ نے مہربانی کی اور ادھر کا چانس بن گیا حالانکہ ان دنوں میں بالکل نہیں آنا چاہ رہا تھا۔" اس نے گہرا سانس لیا۔

"سمیطہ کی طبیعت ان دنوں بالکل اچھی نہیں تھی۔ ڈاکٹر نے ان ہی دنوں کی ڈیٹ بتائی تھی مگر میں کیا کرتا، ان سب سلسلوں کو جاری رکھنے کے لیے بھی روزگار کا ہونا ضرور تھا۔ وہ ویسے بھی کچھ عرصے سے مجھ سے اکھڑی اکھڑی رہنے لگی۔ ظاہر ہے اس کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔ شادی کے چند ماہ کے بعد سے میں نے اسے کون سی خوشیاں دی تھیں جو وہ خوش خوش پھرتی اور میں آنے سے پہلے اسے کچھ خاص تسلی بھی نہ دے سکا۔ بس ان دنوں عجیب سے حالات رہتے تھے سمیطہ کی پریشانی، حنا کی شادی، امی کا آف موڈ، راحیل کا آخری سال اور اوپر سے میری بے روزگاری۔ بس جیسے ہی ادھر کا ویزا لگا میں نے ایک دن فالتو نہ لگایا اور ٹکٹ کنفرم کروا لیا۔ بس اب تو سمجھو جیسے پھنس گیا ہوں۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"کافی دنوں سے تمہارے گھر سے کوئی خط بھی نہیں آیا۔" ایاز نے اسے پھر یاد دلایا۔

"ہاں کافی دن ہو گئے ہیں۔ میرے خط کا جواب بھی نہیں آیا۔ صبح فون کروں گا۔" مغیث لیٹتے ہوئے بولا۔ "اب تو یہی سہارے ہیں جینے کے، تم بھی اب آرام کرو۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی اچھی نہیں ہے۔" اس نے ایاز سے کہا تو وہ بھی لیٹ کر کمبل اوڑھنے لگا۔

☆☆☆

کیسے عجیب سے دن تھے وہ بھی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسے بھی ہو سکتا ہے۔

مغیث حوالات میں تھا، بیس لاکھ کی ڈکیتی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بینک کے بہت سے لوگ شک میں دھر لیے گئے تھے مگر مغیث کے کیس میں شک اس لیے یقین میں بدل رہا تھا کہ اس نے ڈاکوؤں کو ان کے نام سے پکارا تھا لیکن یہی بات اس کے حق میں جاتی تھی کہ اگر وہ ان کا ساتھی تھا تو وہ انہیں کیوں ان کے نام سے پکارتا۔ بہرحال ابو اور بھائی اپنی سی کر رہے تھے۔

اور وہ جو یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ مغیث کے اور اس کے درمیان بہت فاصلے آ گئے ہیں، اس اچانک افتاد سے اس پر انکشاف ہوا کہ بظاہر لاپروائی کی اس دھول کے نیچے دبی ان کی محبت کا رشتہ اور مضبوط ہو چکا ہے۔ اس کی آنکھوں سے نیند غائب ہو گئی تھی۔ دن رات ذہن کی سوئی ایک ہی نقطے پر اٹک گئی تھی۔ کوشش کے باوجود اس سے ملنے نہ جا سکی، مغیث نے بھی اسے آنے سے منع کر دیا تھا۔ ابو اور عظیم بھائی نے اس کے لیے بڑا اچھا وکیل کیا تھا۔ اس کے باوجود خدیجہ بانو کے طعنوں میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی سابقہ خدمتوں اور خوش بختیوں پر انہوں نے پانی پھیر دیا تھا۔ پہلے وہ کہتی تھیں کہ سمیطہ کے آنے سے ان کے بیٹے کی ترقی ہوئی ہے۔ اسے پارٹ ٹائم جاب کا معاوضہ بھی زیادہ ملنے لگا ہے۔ کٹر مذہبی عقائد رکھنے کے باوجود اس بات پر بھی ان کا عقیدہ سو فیصدی تھا کہ رزق عورت کے نصیب سے آتا ہے اور اس معاملے میں سمیطہ کا نصیب بہت اچھا ہے لیکن یہ تو گئے دنوں کی بات تھی۔ تازہ صورت حال کے تحت مغیث کے حوالات جانے میں سراسر سمیطہ کے نصیبوں کا دخل تھا۔

ایک تو مغیث کی پریشانی دوسرے اس کی اپنی حالت، اس غم کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھی پھر گھر کے کام تو تھے ہی اور اس پر ساس کے طعنے وہ تو جیسے دنوں ہی میں نچڑ کر رہ گئی۔ آنکھیں ہر وقت ساون بھادوں برساتیں مگر یہ کام بھی چھپ چھپا کر ہوتا تھا کیونکہ اس کی ساس اس کی پلک بھی گیلی دیکھ لیتیں تو طوفان اٹھا دیتیں کہ یہ نحوست ہے، اس کے آنسو بدشگونی پھیلا رہے ہیں اور وہ خود بہانے بہانے سے دیر دیر تک اشک بہاتیں۔ اسے نہ رونے کی اجازت تھی نہ ہنسنے کی۔ ذرا سی راحیل یا موناسے بات کر لیتی وہ بڑبڑانے لگتیں۔

”میرا بچہ جیل میں پڑا سڑ رہا ہے اور اسے ٹھٹھے سوجھ رہے ہیں۔ ہاں بھئی، انہیں کس بات کا غم، اماں باوا کے پیسے کا تکبر ہے۔ پر میری بات بھی سن لو یہ سارے رشتے ناتے شوہر کے دم سے ہیں۔ یہ ایک رشتہ نہ ہو تو سارے رشتے منہ موڑ لیتے ہیں اور پیسے جیسی کمزور شے پر کیا اترانا۔“

وہ پتا نہیں کون کون سے فسانے گھڑ لیتیں اور سمیطہ کڑھ کر رہ جاتی۔

پھر جب رابعہ اس کا حال پوچھنے آئیں تو خدیجہ بانو کی آواز مارے صدمے کے اتنی نیچی تھی کہ رابعہ کو ان کی بات سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہونا پڑا تھا۔ ان کا اپنا دل کٹ رہا تھا داماد کے بارے میں

UrduPhoto.com

سوچ سوچ کر۔ لیکن جب انہوں نے گھٹی گھٹی سے سمیطہ کو دیکھا تو فوراً اسے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ خدیجہ نے حتی الوسع انہیں روکنے کی کوشش کی اگر یہ بھی چلی گئی تو کیا کریں گی کہ اس کی چلتی پھرتی صورت سے انہیں بیٹے کی کمی اتنی محسوس نہیں ہوتی۔

”نہیں بہن جی! سمیطہ کی حالت بھی تو آپ دیکھیں، آپ کا دکھ بجا لیکن میں سمیطہ کو بھی یہاں اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتی۔ اللہ نے چاہا تو مغیث ایک دو ہفتے تک آ جائے گا۔ سمیطہ کے ابو پوری کوشش کر رہے ہیں۔“

رابعہ کی بات پر وہ چپ کر گئیں کہ بہرحال مغیث کے کیس میں ساری دوڑ دھوپ تو وہ لوگ ہی کر رہے تھے۔

پھر واقعی مغیث کو عدالت نے اگلے مہینے باعزت بری کر دیا لیکن نوکری چلی گئی۔ ابو اور بھائیوں نے اسے فیکٹری میں کام دینا چاہا تو اس نے انکار کر دیا اگر وہ ایسا کر لیتا تو سمیطہ کی نظر میں اس کا مقام اور گر جاتا کہ دنیا کی ہر عورت اپنے مرد کو مضبوط اور خوددار دیکھنا چاہتی ہے پھر اس نے اپنے ایک دوست کے توسط سے امریکہ جانے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ کچھ پیسہ اس نے خود لگایا اور کچھ اقبال صاحب سے قرض لیا اور پانچ مہینے بعد ہی وہ امریکہ چلا گیا جب سمیطہ کو اس کی بہت ضرورت تھی۔

اس کے جاتے ہی خدیجہ بانو نے پھر سے اپنے ہتھیار تیز کر لیے۔ سمیطہ کے والدین کے احسان نے انہیں پانچ ماہ احسان مند رکھا تھا مگر اب وہ پھر سے سب کچھ فراموش کر چکی تھیں۔ پتا نہیں وہ ایسا کیوں کرتی تھیں لیکن سمیطہ نے تو دینا چھوڑ دی تھی ان کی کڑوی کسیلی کے جواب میں بے تاثر چہرہ لیے پھرتی رہتی۔ مغیث بہت مجلب میں گیا تھا، چار پانچ ماہ جانے کی دوڑ دھوپ میں لگ گئے نہ کوئی تسلی نہ کوئی پیمان، جس کے سہارے وہ یہ لمبی جدائی کاٹتی بس سوچتی اور کڑھتی رہتی۔

صرف ایک راحیل کا دم تھا، گھر میں جو اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتا۔ دعا کی ضرورتوں کا، اس کی سیر و تفریح کا ورنہ تو وہاں زندگی از حد دشوار ہو چلی تھی۔ ماں باپ کے گھر بار بار جانا، ساس کے دکھڑے رونا اسے پسند نہیں تھا اور بھابھیاں کتنی اچھی سہی لیکن روز روز جا کر اسے اپنی قدر کم کرنا اچھا نہیں لگتا تھا اگرچہ رابعہ نے اس سے بہت کہا کہ وہ ادھر آ جائے کم از کم ڈلیوری تک، لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس طرح خدیجہ بانو کو ایک اور موضوع مل جاتا۔

پتا نہیں وہ کیوں ایسی ہو گئی تھیں۔ پہلے ایک دو سال تو ان کا رویہ اس کے ساتھ اچھا تھا پھر آہستہ آہستہ انہیں اس کا وجود بھی کھٹکنے لگا تھا اور اب تو یہ حال تھا کہ وہ ڈاکٹر کو دکھا کر آتی تو وہ اس سے حال بھی نہ پوچھتیں۔ اسے کتنی شرم آتی تھی جب راحیل کے ساتھ جانا پڑتا تھا اول تو وہ کوشش کرتی تھی کہ

امی کے ساتھ ہی جائے اسی لیے اس دن ادھر چلی جاتی لیکن اگر کبھی اس نے خدیجہ بانو سے کہا بھی تو وہ صاف انکار کر دیتیں اور آخری روز بھی اسے راحیل کے ساتھ ہی جانا پڑا۔ ان کے سر میں درد تھا اس لیے وہ سونے کے لیے چلی گئیں۔ جب ڈاکٹر نے دوائیں وغیرہ لکھ کر دیں تو اس نے راحیل سے کہا کہ پہلے وہ امی کو فون کر دے۔ فون سنتے ہی رابعہ اور یاسمین فوراً فہیم کے ساتھ آ گئیں تو اسے سکون ہوا۔

اور خدیجہ بانو رات کو تھوڑی دیر کے لیے پوتے کی خوشخبری سن کر آئیں۔ رابعہ انہیں سنانا چاہ رہی تھیں کہ ان سے اتنا بھی نہ ہوا کہ اس نازک موقع پر بہو کے ساتھ ہاسپٹل ہی آ جاتیں مگر سمیطہ نے انہیں آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

اور پھر اس کے بعد بے شمار دن اور طویل راتیں جو اس نے اسی بے کلی اور اداسی میں گزاریں۔ مغیث نے دھڑا دھڑ ڈالر بھیجنے شروع کر دیے تھے، راحیل کی نوکری کے لیے کوششیں سست پڑ گئی تھیں بلکہ وہ کسی کاروبار کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ خدیجہ بانو کو اچھا بھلا گھر ایک دم سے تنگ لگنے لگا تھا اور انہوں نے پلاٹ کی رٹ لگا دی۔ وہ راحیل کا رشتہ اپنے بھائی کی بیٹی سے کرنا چاہ رہی تھیں اور منیر ماموں کا لاکھوں کا بزنس تھا اور اکلوتی بیٹی کے لیے انہیں داماد بھی لکھ پتی ہی چاہیے تھا اس لیے وہ چاہ رہی تھیں کہ اگر گھر عالیشان ہو گا تو وہ بھائی کو منا ہی لیں گے اس رشتے کے لیے، بعد میں مغیث اور پیسے بھیجے گا تو اس سے وہ راحیل کو کوئی بزنس کرا دیں گی۔ ان کی خواہشات کا حجم دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔

منی آرڈر اور ڈرافٹ سب ان کے نام بینک میں جمع ہوتے تھے اور سمیطہ کے اخراجات جو پہلے بھی اس کے والدین کے ذمہ تھے، وہی صورت حال اب بھی تھی بلکہ اب تو دونوں بچوں کا خرچ بھی ان میں شامل ہو گیا تھا۔ صرف کھانا پینا اس کے گھر کے ذمے تھا جو سب کھاتے وہ بھی وہی کھا لیتے تھے اور اسے اتنی شرم آتی جب ہر پھیرے پر امی اس کے اور بچوں کے کپڑے اور جوتوں کا ڈھیر اٹھا لاتیں مگر اس کی ساس کو شرم نہ آتی سب کچھ وصول کرتے ہوئے کبھی راحیل کو خیال آ جاتا تو وہ بچوں کے لیے کوئی کھلونا یا کپڑے لے آتا ورنہ تو وہاں سب اس کی طرف سے آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔ خطوط میں خیریت اور بچوں کے احوال کے سوا کچھ نہ ہوتا اور فون تو زیادہ تر خدیجہ اور مونا وغیرہ اٹینڈ کرتی تھیں، اس نے بھی خود سے خط میں کبھی کوئی تقاضا نہ کیا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کہ خود سے اسے کبھی خیال نہیں آئے گا۔ اس کی سوچیں باغی ہونے لگتیں۔ اس نے چپ رہ رہ کر ان لوگوں کو اپنی ضرورت کے ہر احساس سے عاری کر دیا تھا۔

اب اگر بولتی تو سب نے انجان بن کر کہنا تھا ''اچھا۔ تم نے پہلے کیوں نہیں کہا؟'' اس کی ضرورتیں تو اور بھی کم ہو گئی تھیں مگر بچوں کی بڑھتی جا رہی تھیں، اس کے جی میں آتا کہ کہیں نوکری کر

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

لے۔ ایک بار وہ خدیجہ بانو سے یہ ذکر کر بیٹھی تو انہیں جیسے پتنگے لگ گئے۔

''کس چیز کی کمی ہے تمہیں یہاں۔ یوں کھو گھر میں بیٹھنا برا لگتا ہے۔ میاں وہاں کما کما کر ہلکان ہو رہا ہے اور یہ تنگی کے رونے رو رہی ہے۔'' پھر انہوں نے دو تین اتنے رکیک جملے کہے کہ اس نے دوبارہ نام نہ لیا۔

اور وہ تو نبھا کیے جا رہی تھی اگر اس رات یہ آخری جھٹکا نہ لگتا تو شاید اس کے صبر کا پیمانہ نہ چھلکتا۔

☆☆☆

''پھر کیا کہتی ہے رابیل پاکستان جانے کے بارے میں، میں سوچ رہا تھا کہ مظفر صاحب کی فیملی پاکستان جا رہی ہے کچھ دنوں کے لیے رابیل کو ان کے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔'' ایاز نے چپ چاپ بیٹھے مغیث سے کہا۔

''وہ نہیں جانا چاہ رہی ہے۔''

''کیوں؟ یہاں کون ہے اس کا؟'' ایاز ابرو اچکا کر بولا۔

''پتا نہیں، وہ کہہ رہی ہے کہ وہ یہاں نوکری کر کے اپنے گھر والوں کو سپورٹ کرے گی اور۔'' وہ چپ ہو گیا۔

''اور کیا؟'' ایاز نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' مغیث نے گہرا سانس لیا۔

''کیا بات ہے۔ کوئی پریشانی ہے کیا؟'' ایاز نے جانچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہوں۔'' مغیث نے چونک کر کہا۔ ''نہیں۔ کوئی بات نہیں۔''

''تم کچھ چھپا رہے ہو۔''

''نہیں کچھ نہیں۔'' اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔

''تم آج پھر گئے تھے رابیل کی طرف؟'' ایاز نے پوچھا۔

''ہاں آفس سے واپسی پر گیا تھا۔ ڈیپارٹمنٹل اسٹور پر جہاں مسز ظہیر نے اسے سیل گرل لگوایا ہے۔ کام تو مل گیا ہے اسے لیکن وہ بہت پریشان ہے۔'' مغیث کا ہمدردانہ لہجہ اسے برا لگا۔

''کیوں؟ اب کیوں پریشان ہے وہ، جب وہ جانا نہیں چاہ رہی تو پھر یہاں رہ کر آرام سے کام کرے۔ پھر پریشانی کیسی؟'' ایاز کا لہجہ تیکھا تھا۔

''یہ رستہ اس کا اپنا منتخب کردہ ہے۔ تم اس کی فکر میں ہلکان مت ہو اور تم اس سے بہت زیادہ

ملنے نہ جایا کرو۔ اب اسے خود یہ سب کچھ کرنے دو۔"

"ایسے کسی کو اکیلے چھوڑ دینا بھی تو اچھا نہیں لگتا۔" مغیث کو ایاز کا مشورہ پسند نہیں آیا۔

"کیوں تمہارا اس سے رشتہ ہی کیا ہے جو تم بھاگ بھاگ کر اس سے ملنے جاتے ہو۔ جہاں تک ہم وطن ہونے کے رشتے کا سوال ہے ہم نے اس کی مدد کی، اب وہ جانے اور اس کا کام۔ تم چھٹی لے رہے ہو پاکستان جانے کے لیے۔" ایاز نے بات بدلی۔

"نہیں، ابھی چھٹی نہیں مل رہی، ویسے بھی پلاٹ کا نقشہ منظور کرالیا ہے راحیل نے اور کام شروع کر دیا ہے۔ اب تو چند سالوں تک میرا جانا مشکل لگ رہا ہے۔" مغیث کا لہجہ بیزار سا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم، اتنے سال ہوگئے ہیں تمہیں یہاں۔ اب تمہیں پاکستان جانا چاہیے۔ وہاں تمہاری بیوی منتظر ہوگی تمہاری۔"

"کوئی منتظر نہیں ہے میرا۔" مغیث تلخی سے بولا "کتنے ماہ سے اس نے مجھے خط نہیں لکھا۔ میرے پچھلے تین خطوط کا جواب نہیں دیا، کسی خط میں کبھی نہیں لکھا کہ میرا انتظار ہے۔ میں فوراً چلا آؤں یا اس سے میرے بغیر رہا نہیں جاتا یا اسے میرے آنے سے کچھ فرق پڑا ہے۔ میں نے فون کیا تھا کل۔ امی نے بتایا۔ وہ تقریباً دو ماہ سے اپنے میکے بیٹھی ہوئی ہے، بچوں کو یہاں چھوڑ کر۔ پھر میں کیوں جاؤں؟" اس نے سلگتے ہوئے کہا۔

"دو ماہ سے وہ اپنے والدین کے گھر میں ہیں اور تمہیں خبر نہیں۔" ایاز حیرت سے گویا ہوا۔

"میکے جانے کی وجہ پوچھی تم نے اپنی امی سے۔"

"وہ میرے گھر والوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اس کا میچ میرے ساتھ بنتا ہی نہیں تھا۔ اسے اپنے والدین کے پیسے کا مان ہے۔ یہ تو میری محبت اسے باندھے ہوئی تھی ورنہ شاید۔"

"اچھا اور یہ خیال علیحدہ ہونے کا انہیں اتنے سالوں بعد آیا جبکہ تمہاری محبت کی زنجیر بھی کتنے سالوں سے مضبوط نہیں رہی۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟" وہ شانے اچکا کر بولا۔

"بہت افسوس کی بات ہے مغیث! ایک انسان تمہارے نام کے سہارے زندگی گزار رہا ہے اور تمہیں کچھ احساس نہیں۔ محض قیاس کی بنا پر تم اس کے جذبات کی نفی کر رہے ہو۔ کیا صرف تمہاری محبت اسے باندھ سکتی تھی؟" ایاز کا لہجہ افسوس بھرا تھا۔

"تو میں کیا کروں، جانے کا سوچتا ہوں تو امی منع کر دیتی ہیں کہ چند سال اور لگا لو بھائی سیٹ ہو جائیں رہنے کا سوچتا ہوں تو۔" وہ ہونٹ کاٹ کر چپ ہو گیا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"مغیث! ایف ایس سی میں میں نے ارشمیدس کا قانون پڑھا تھا کہ گہرے سمندر میں سوئی تو ڈوب جاتی ہے مگر جہاز نہیں ڈوبتا۔ اس وقت مجھے یہ قانون سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ مگر اب سمجھ میں آگیا ہے۔ محبت کا سمندر جتنا وسیع ہوگا۔ زندگی کا جہاز کبھی نہیں ڈوب سکتا، سمندر کا پانی خود اسے سہارا دے کر رواں رکھے گا اور جہاں محبت کا حجم کم ہو جائے گا انسان کا وجود سوئی سے بھی ہلکا ہو جائے گا اور اسے ڈوبنے سے پھر کوئی نہیں روک سکے گا۔ مغیث میرے دوست! ان محبتوں کو محسوس کرو جو تمہیں اپنی طرف بلا رہی ہیں، تمہیں سہارا دیے ہوئے ہیں اگر ان کو نظر انداز کرو گے تو بہت جلد ڈوب جاؤ گے اور ڈانوا ڈول ہونا کتنا اذیت ناک ہے۔ یہ تم مجھے دیکھ کر سمجھ سکتے ہو۔" ایاز کے لہجے میں سناٹے بول رہے تھے۔

"میں سب جانتا ہوں لیکن میں کیا کروں، گھر کے کیا حالات ہیں، ادھر کی بھی پریشانی ہے۔ سمیطہ کیوں چلی گئی اور وہ بھی بچوں کو چھوڑ کر، لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ پریشانی سے سر ہاتھوں میں جکڑ کر بولا۔

"جتنا سوچوں گے۔ اتنا ہی الجھو گے اس لیے کچھ فیصلہ کرلو۔"

"کیا فیصلہ کرلوں۔ میرے پاس اتنا کچھ نہیں ہے کہ پاکستان جا کر کچھ کرسکوں اور بیوی بچوں کو یہاں بھی نہیں بلا سکتا۔ عجیب مشکل ہے۔"

"انہیں نہیں بلا سکتے تو خود چکر لگا آؤ کچھ دن کے لیے، فریش ہو جاؤ گے۔" ایاز نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ مجھے یہی کرنا چاہیے، کرتا ہوں کچھ۔" وہ سوچتے ہوئے سر ہلا کر بولا تو ایاز نے اطمینان کا سانس لیا۔

☆☆☆

پھر رابعہ اقبال صاحب کے مجبور کرنے پر سمیطہ کے سسرال گئیں تو جو بات انہیں خدیجہ بانو نے بتائی، اس نے ان کے پیروں تلے سے زمین نکال دی۔ وہ تو بچوں کو لینے گئی تھیں۔ خدیجہ بانو کی بات نے انہیں اپنا مدعا بھی بھلا دیا اور وہ عجیب ذلت کا احساس لیے واپس آگئیں اور آتے ہی جو انہوں نے بستر سنبھالا تو کتنے دن بخار اور اعصابی تھکن نے انہیں چور چور کیے رکھا۔ وہ جیسے خود سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہی تھیں۔

"امی! کیا بتایا آنٹی خدیجہ نے کہ سمیطہ اس طرح کیوں آگئی؟" یاسمین نے انہیں دوا دیتے ہوئے کتنے دن کا چبھتا ہوا سوال کر ہی دیا تو وہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئیں۔

"کوئی خاص نہیں۔ وہی گھریلو چپقلش۔" انہوں نے مدھم آواز میں ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"ایسا بھی کیا کہ سمیطہ کو آدھی رات کو نکلنا پڑا اور پھر بچوں کو چھوڑ کر۔" یاسمین کا انداز جتانے

والا تھا۔ رابعہ چپ رہیں۔

''اب کیا کہتی ہیں، کم از کم آپ بچوں کو تو لے آتیں۔'' یاسمین کچھ دیر بعد بولی۔

''کہا تھا میں نے، وہ کہتی ہیں کہ کچھ دن بعد وہ خود بچوں کو لے کر آئیں گی۔'' انہوں نے کمزور لہجے میں کہا ''پنکی کہاں ہے۔ اسے ذرا میرے پاس بھیجو۔'' یاسمین کے سوالات انہیں ادھیڑ رہے تھے۔

''اپنے کمرے میں ہو گی۔ وہ تو بس کمرے کی ہو کر رہ گئی ہے۔ میں بھیجتی ہوں۔'' یاسمین اٹھتے ہوئے بولی تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

''سمیطہ سے بھلا انہوں نے کیا کہنا تھا۔ اس سے تو وہ آتے ہی پوچھ گچھ کر چکی تھیں۔ اس کی وہی خاموشی یا پھر ''مجھے نہیں پتا۔'' نے انہیں بیمار کر ڈالا تھا۔ وہ خدیجہ بانو کی بات کی تردید یا تصدیق کرنے سے بھی انکاری تھی۔ پتا نہیں کیسی بے حسی اس پر طاری ہو گئی تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' اقبال صاحب نے اندر آ کر ان کے پاس کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

''شکر ہے اللہ کا، بہتر ہوں اب۔'' وہ ذرا سا اٹھتے ہوئے بولیں۔

''میرا خیال ہے، آج پھر ڈاکٹر سے چیک اپ کرا لیتے ہیں۔'' انہوں نے رابعہ کے زرد چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں اب۔'' تو وہ چپ کر گئے۔

''اس دن کیا کہا تھا پھر خدیجہ نے کہ پنکی کیوں آ گئی تھی اس طرح۔'' وہ کچھ دیر بعد بولے تو رابعہ کے چہرے پر زبردستی سجی ہوئی مسکراہٹ بھی جیسے یک لخت غائب ہو گئی۔

''رابعہ! تم بتا کیوں نہیں رہیں کہ آخر معاملہ کیا ہے۔'' انہوں نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔ تو انہوں نے سوچا چھپانے سے فائدہ! پتا تو چل ہی جانا ہے۔ انہوں نے مدھم آواز میں ساری بات بتادی تو اقبال صاحب جیسے سن ہو کر رہ گئے۔

''اتنی بڑی بات انہوں نے کیسے کہہ دی؟'' وہ کافی دیر بعد بولے۔

''سچ اور جھوٹ کے بارے میں تو خدا ہی جانتا ہے۔ مگر اس وقت تو ہماری بیٹی کی چپ انہیں سچا ثابت کر رہی ہے۔'' رابعہ نے آہ بھری۔

''ایسا نہیں ہو سکتا، مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسا ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولے۔

''خدا کرے، ایسا ہی ہو۔'' رابعہ نے دعا کی۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

''اب کیا کریں۔ تم نے بچوں کو ہی لے آنا تھا۔''

''سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی بات سن کر مجھے کچھ ہوش ہی نہیں رہا تھا، بس چپ چاپ اٹھ کر آ گئی۔''

''میرا خیال ہے، مغیث کو اس سارے معاملے کا علم نہیں ہے اور شاید پنکی کا اس سے رابطہ بھی نہیں ہے۔'' اقبال صاحب نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''شاید۔''

''بات ایسی ہے کہ فون پر بھی نہیں کی جا سکتی۔'' وہ سوچتے ہوئے بولے۔

''مغیث کا پاکستان آنا ازحد ضروری ہے۔ بس اسے کسی طرح اطلاع کر کے آنے کا کہتا ہوں۔ یہ معاملہ اسی طرح حل ہو گا۔''

''آپ صحیح کہتے ہیں، ہماری بیٹی کوئی گری پڑی ہے جو ہم یوں خاموشی سے سر جھکا لیں۔ ان کے ہر الزام کو سچ مان لیں۔'' رابعہ کڑھ کر بولیں۔

''ہوں۔ اب یہی کرنا پڑے گا، تم فکر نہیں کرو۔'' اقبال صاحب کھڑے ہو گئے، ''میں عظیم سے اس مسئلے پر بات کرتا ہوں۔ وہ کیا کہتا ہے۔''

''اس سے کہیے گا بیوی کے کانوں میں نہ ڈال دے، بہن کی زندگی کا معاملہ ہے۔'' رابعہ نے آواز نکالی۔

''اتنا بیوقوف نہیں ہے وہ، بیوی کی فطرت سے واقف ہے۔ پھر بھی میں کہہ دوں گا۔ تم اب آرام کرو۔'' وہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''مسٹر پیٹر تمہارا پوچھ رہا تھا۔ تم آج آئے کیوں نہیں؟'' ایاز نے چپ چاپ لیٹے مغیث کو ایک نظر دیکھ کر کہا۔

''بس ایسے ہی۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''کدھر چلے گئے تھے؟'' ایاز بستر پر آ بیٹھا۔

''کہیں نہیں۔ ذرا ایک دوست کی طرف۔'' مغیث کا انداز ٹالنے والا تھا۔

''کون سے دوست کی طرف۔''

''ہے ایک، تمہیں نہیں پتا۔'' اس کا لہجہ بیگانہ سا تھا۔

''ایسا کون سا دوست ہے تمہارا جس کے بارے میں میں نہیں جانتا۔'' ایاز کا انداز مغیث کو

برا لگا۔

''آخر تم کیوں پوچھ رہے ہو، کیا اب میں اپنی مرضی سے کسی سے مل بھی نہیں سکتا۔ کیا ضروری ہے کہ ہر کام تم سے پوچھ کر، تمہیں بتا کر کروں میں۔'' اس نے بلند آواز میں کہا اور چڑ کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے انداز پر ایاز ایک لمحے کو چپ سا کر گیا۔

''نہیں۔ ایسا کوئی ضروری بھی نہیں ہے سب کچھ بتانا، میرا تمہارا رشتہ ہی کیا ہے۔ سوری۔'' ایاز نے سرد لہجے میں کہا اور کمبل درست کرتے ہوئے لیٹ گیا اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ ایاز کے انداز پر مغیث کو اپنے لہجے کی زیادتی کا احساس ہوا، وہ کچھ دیر یونہی ندامت محسوس کرتا رہا۔ پھر اسے پکار بیٹھا۔

''ایاز! سوری میں کچھ کچھ غلط بول گیا۔'' ایاز نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''سو گئے ہو کیا؟'' اس نے بے چینی سے اسے پھر پکارا، وہ پھر خاموش رہا۔

''پلیز یار! آئی ایم سوری۔ میں کچھ پریشان ہوں اس لیے۔'' وہ اٹھ کر اس کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔

''نہیں کوئی بات نہیں، میں نے برا نہیں مانا۔ انسان بڑی ڈھیٹ چیز ہے حالانکہ میں نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ اب زندگی میں کسی سے کوئی تعلق نہیں جوڑوں گا نہ دور کا نہ نزدیک کا لیکن پھر پتا نہیں کیسے یہ عہد ٹوٹ جاتے ہیں۔'' اس کا لہجہ بکھرا ہوا تھا۔

''سوری یار! یقین کرو میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس میں پریشان ہوں اس لیے ایسا بول گیا۔ تعلق کوئی چاہنے یا نہ چاہنے سے تھوڑی جڑتے ہیں یہ تو خود بخود قائم ہو جاتے ہیں ہمارے درمیان بھی دوستی اور خلوص کا رشتہ خود بخود قائم ہو چکا ہے اسی لیے میں تم پر بلاوجہ خفا ہوا اور تمہیں میری بات بری بھی لگی۔'' وہ بیڈ کی سائیڈ پر بیٹھ گیا۔ ''اچھا چھوڑو یہ باتیں۔ ذرا اٹھ کر بیٹھو ایک بات کرنی ہے تم سے۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا تو وہ اٹھ بیٹھا۔

''کیا بات ہے؟'' جب مغیث کچھ دیر تک نہ بولا تو ایاز نے پوچھا۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیسے بتاؤں؟'' اس کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔

''جو بات ہے بتا دو اور ہاں تم کہہ رہے تھے کہ چھٹی کے لیے تم نے درخواست دی ہے۔'' ایاز نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں دی تھی، اب سوچ رہا ہوں واپس لے لوں۔'' وہ اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا مطلب، کیا تم پاکستان نہیں جاؤ گی۔'' ایاز حیرانی سے بولا۔

''جاؤں گا لیکن ابھی نہیں۔ امی نے منع کر دیا ہے۔ کہ مونا کا بہت اچھا رشتہ آیا ہوا ہے اور وہ لوگ دو تین ماہ میں شادی کرنا چاہ رہے ہیں، اب میں اس کی شادی پر ہی آؤں اور کچھ پیسوں کا انتظام بھی کرنا پڑے گا اس لیے۔'' ایاز کو اس کی بے بسی پر ترس آنے لگا۔

''اور کیا بات تھی جس نے تمہیں پریشان کر رکھا تھا اور تم نے بارے چھٹی بھی کی۔ کیا یہی بات تھی؟'' ایاز کے پوچھنے پر مغیث نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''وہ اور بات ہے ایاز! میں تھک رہا ہوں بہت زیادہ کچھ تو ہو میرے لیے بھی۔'' اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس نے کرسی سے سر ٹکا دیا۔

''کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔'' ایاز نے ٹانگیں بستر سے نیچے لٹکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''ایسے کیسے زندگی گزرے گی۔ مونا کی شادی کے لیے پیسہ ضروری ہے میرا جانا نہیں کیونکہ امی چاہتی ہیں۔ حسیب ہاؤس جاب کر لے تو اس کو اسپشلائزیشن کے لیے میں یہاں بلا لوں۔ راحیل اپنے دوست کے ساتھ گلاس فیکٹری میں پارٹنر شپ کی بنیاد پر پیسہ لگانا چاہ رہا ہے اور پھر اس کی شادی بھی۔ اس سارے سلسلے میں میرے پاس جانے کی کہیں گنجائش نہیں۔ کم از کم چار پانچ سالوں تک۔''

''پھر؟'' ایاز نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''پھر کیا ساری قربانیاں مجھے ہی دینی ہیں۔ کیوں آخر؟ زندگی کی خوشیوں پر میرا کوئی حق نہیں؟'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''یہ تمہارا خیال ہے ورنہ تم ابھی بھی سب کچھ چھوڑ کر جا سکتے ہو۔'' ایاز نے کہا۔

''نہیں جا سکتا۔ خون کے رشتے تمہارے نزدیک بے معنی ہیں لیکن میرے نزدیک سب کچھ ہیں۔ تم صحیح کہتے ہو کہ سچا رشتہ احساس کا ہوتا ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ یہ رشتہ کہیں نہیں ہوتا۔'' وہ تلخی سی بولا۔

''اگر تمہارے نزدیک خون کے رشتوں کی اتنی اہمیت ہے تو پھر سب سے زیادہ حق تمہارے بچوں کا ہے تم پر اور بیوی کے ساتھ تمہارا احساس کا رشتہ ہے۔ لیکن اس کو تم جھٹلا کر کہہ رہے ہو کہ یہ نہیں ہوتا۔''

''بہر حال میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' وہ دو ٹوک انداز میں بولا۔

''کیا؟''

''میں شام کو راحیل کی طرف گیا تھا۔ اس نے مجھے بلوایا تھا۔ ایاز! اسے یہاں کسی سہارے کی

UrduPhoto.com

ضرورت ہے اور مجھے بھی شاید۔" وہ ایاز کی چبھتی ہوئی نظروں سے آنکھیں چرا کر بولا۔ "اس نے مجھ سے شادی کی درخواست کی ہے۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم شادی شدہ ہو اور دو بچوں کے باپ بھی۔" ایاز نے تیزی سے کہا۔

"ہاں یہ جانتے ہوئے بھی لیکن وہ میرے احساسات کو بخوبی سمجھتی ہے اور میں اس کے۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آخر میں کب تک تپتی دھوپ میں تنہا جلتا رہوں۔ کیا کسی شجر تلے بیٹھنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔

"حقوق و فرائض کی جنگ بڑی پرانی ہے اور اس کا فیصلہ تم اکیلے نہیں کر سکتے جبکہ بہت سے لوگوں کا تم پر حق ہے لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ احساس کا جو رشتہ تمہارے اور رابیل کے درمیان فقط چند دنوں میں قائم ہوا ہے اور جس کی آنچ تم نے فوراً محسوس کر لی یہی رشتہ تمہارے اور سمیطہ بھابھی کے درمیان سالوں سے ہے۔ اس کی حدت کو تم اتنی جلدی کیسے بھول گئے۔" ایاز کا انداز کڑوا تھا۔

"میں نے تم سے بہت پہلے کہا تھا کہ مغیث! واپس چلے جاؤ تم لاکھ جھٹلاؤ کہ تم مضبوط اعصاب کے مالک ہو، تم اپنے جذبات کو کنٹرول کر سکتے ہو لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ تم کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہو جذبات کی مضبوطی اور ان کی شدت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ میاں بیوی کے بیچ اگر میلوں فاصلے آ جائیں تو ان کی سوچیں کرپٹ ہو جاتی ہیں۔ اپنی راہ سے ہٹ جاتی ہیں۔ پہلے دل دور ہوتے ہیں اور پھر احساس مٹنے لگتا ہے جسم کا بھی اور محبت کا بھی۔ مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔

محبت کی یہی تشنگی تمہیں رابیل کی طرف کھینچ کر لے گئی۔ تم صحیح کہتے ہو کہ کوئی خود پر کہاں تک جبر کر سکتا ہے تو پھر سوچو تم مرد ہو، مضبوط ہو اور چاہو تو خود پر قابو پا سکتے ہو لیکن وہ جو تمہاری بیوی ہے۔ تم سے کہیں کمزور۔ اس کی تشنہ آرزوؤں کا تمہیں خیال کیوں نہیں آیا ایسا سوچتے ہوئے۔ کیا تم سے بندھ کر زندگی کی خوشیوں پر اس کا کوئی حق نہیں رہا۔ اس کا حق تم کسی اور کی جھولی میں ڈالنے چلے ہو۔ تم بہت عرصے پہلے ٹوٹ چکے تھے میں نے بھی رابیل کی مدد کی ہے، ہاسپٹل میں اس کی تیمارداری کی ہے۔ اس نے یہی درخواست مجھ سے کیوں نہیں کی، تم سے کیوں کی، کیونکہ تم خود اس کی طرف جھک رہے تھے۔ اپنی مضبوطی کا ڈھنڈورا پیٹ کر اندر ہی اندر کمزور پڑتے جا رہے تھے۔ تمہارا دل اپنی بیوی کی جدائی سے کمزور پڑ چکا تھا اور رابیل نے تمہاری کمزوری کا اندازہ لگا لیا تھا۔

باقی تم اپنی مرضی کے مالک ہو جو چاہو فیصلہ کرو لیکن ایک بار ایسا کرنے سے پہلے اپنی جگہ اپنی بیوی کو رکھ کر ضرور سوچ لینا۔ تمہیں کیسا محسوس ہوتا اور یہ بھی سوچ لینا کہ کیا مردوں کی محبت اتنی ہی بودی ہوتی ہے کہ چار پانچ سال کا قلیل عرصہ اس کا احساس تک دل سے مٹا دیتا ہے۔"

ایاز کی باتوں نے جیسے مغیث کے سامنے آئینہ رکھ دیا جس میں اسے اپنی محبت کی بگڑی ہوئی شکل بہت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی ہر بات صحیح تھی ایسا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا، ایسا سوچتے ہوئے سمیطہ اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اسے خود پر حیرت سی ہونے لگی۔ یہ تبدیلی کیسے آئی۔ اس کے اندر کیا واقعی دوریاں سوچوں کو کرپٹ کر دیتی ہیں۔ منفی سوچوں کو رستہ زیادہ آسانی سے مل جاتا ہے اسے پتا ہی نہ چلا اور وہ اتنا بدل گیا۔

ایاز نے اسے سوچ میں ڈوبے دیکھ کر کروٹ بدل لی۔

"اور ہاں، یہ خط آیا ہوا ہے تمہارا پاکستان سے۔" اسے لیٹے ہی خیال آیا تو سائیڈ ٹیبل کی دراز سے خط نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

مغیث نے خط اس کے ہاتھ سے لے کر غائب دماغی سے کھولا اور لیکن سرنام پڑھ کر وہ حیران رہ گیا۔ کچھ ٹوٹی پھوٹی سی تحریر تھی۔

پیارے پاپا!

آداب

آپ حیران ہوں گے کہ میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں، پاپا مجھے اب خط لکھنا آ گیا ہے، آپ کا ایڈریس میں نے چاچو کی ڈائری سے لیا تھا۔

پاپا آپ پاکستان کیوں نہیں آتے۔ میری کتنی دوستوں کے پاپا باہر ہوتے ہیں لیکن وہ تو ان سے ملنے آتے ہیں۔ آپ کیوں نہیں آتے۔ پاپا میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں، میں آپ کو یاد نہیں آتی؟

پہلے میں آپ کو اتنا مس نہیں کرتی تھی ماما جو ہوتی تھیں لیکن اب ماما کو بھی نانو کی طرف گئے بہت بہت دن ہو گئے ہیں۔ وہ بھی ہمارے پاس نہیں آتیں۔ میں اور بھائی اکیلے ہیں پاپا۔ بھائی ماما کو یاد کر کے روتا رہتا ہے۔ آپ کا تو اسے پتا نہیں ہے، اس لیے وہ آپ کو یاد نہیں کرتا مگر میں آپ دونوں کو یاد کرتی ہوں۔

ماما ہم سب سے بہت ناراض ہیں اور دادو لوگ ماما سے۔ میرے اور بھائی کے ساتھ پھوپھو سوتی ہیں لیکن اب تو ان کی شادی ہونے والی ہے پھر ہم کس کے ساتھ سوئیں گے؟ پاپا! آپ ماما سے کہیں کہ وہ واپس آ جائیں۔ جب بھائی بہت روتا ہے تو دادو کو بہت غصہ آتا ہے۔ وہ چاچو سے کہتی ہیں ان کی ماں تو ایش (عیش) کر رہی ہے، انہیں یتیم کھانے (خانے) چھوڑ آؤ۔

UrduPhoto.com

پاپا یتیم کھانے کون سی جگہ ہے، جہاں آپ رہتے ہیں کیا وہ جگہ ہے۔ پلیز پاپا ہمیں بھی یتیم کھانے بلالیں یا پھر ہمارے پاس آجائیں پاپا۔"

اس سے آگے کیا تھا۔ پانی کی چادر آنکھوں کے آگے تن گئی تھی، وہ کچھ پڑھ ہی نہ سکا اور خط کو مٹھی میں بھینچ کر ہونٹوں سے لگالیا اور ایاز کوشش کے باوجود کچھ نہ پوچھ سکا۔

☆☆☆

"توبہ اتنی رات کو کون آگیا اور سب جیسے نشہ کرکے سوئے ہوئے ہیں۔ کوئی نہیں اٹھ رہا۔"

حبیب بستر سے اٹھتے ہوئے منہ میں بڑبڑایا۔ اندھیرے میں اسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا نیچے جھک کر سلیپر ٹٹولنے لگا۔ ناکام ہو کر سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا تھا کہ پھر ڈوربیل بج اٹھی۔ اس نے جلدی سے مڑ کر سلیپر پاؤں میں اڑسے اور تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھا۔ اس کے باہر جاتے جاتے خدیجہ بانو بھی اٹھ کر باہر آگئی تھیں۔ بیل پھر بج اٹھی۔

"ارے بھائی! کون ہے اتنی رات گئے، کھول تو رہا ہوں۔" اس نے بیل بجانے والے کا نام پوچھے بغیر جلدی سے گیٹ کھول دیا۔ اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر ایک لمحے کو وہ حیران ہی رہ گیا۔

"بھائی جان آپ؟" جیسے ہی مغیث آگے بڑھا۔ اس کے منہ سے یہی نکل سکا پھر اس نے آگے بڑھ کر بھائی کو گلے لگالیا۔

"حبیب! کون آیا ہے؟" خدیجہ بانو نے برآمدے سے پکارا۔

"امی! دیکھیں کون آیا ہے، آپ حیران رہ جائیں گی۔" وہ بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف گھسیٹتے ہوئے تیز آواز میں بولا۔

"وہ کچھ سامان پڑا ہے باہر۔ وہ تو اٹھالوں۔" مغیث نے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔

"میں اٹھاتا ہوں۔ آپ اندر چلیں۔" حبیب سوٹ کیس اندر گھسیٹنے لگا تو مغیث ماں کی طرف بڑھا۔

"اسلام علیکم امی جان۔" خدیجہ بانو کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ اس کے سلام کا جواب بھی نہ دے سکیں، بس اسے دیکھے گئیں۔ پانچ ساڑھے پانچ سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔

"مغیث میرا بچہ! آنے کی خبر تو کر دیتے۔" اسے کھینچ کر گلے لگاتے ہوئے انہوں نے خوشی سے کہا۔

"بس اچانک پروگرام بن گیا، اس لیے آگیا۔" اس نے جواب دیا۔

"چلیں امی! باقی باتیں اندر چل کر ہوں گی۔" حبیب دونوں سوٹ کیس برآمدے تک لے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

آیا تھا، سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولا۔

پھر تھوڑی دیر میں سب لوگ اٹھ کر آگئے سونا اور راحیل بھی اسے دیکھ کر حیران ہوئے۔

"سونا! بھائی کے لیے کھانا لے کر آؤ۔ دیکھتیں نہیں اسے بھوک لگی ہوگی۔" کچھ دیر بعد خدیجہ بانو کو خیال آیا تو سونا سے بولیں۔

"نہیں امی! کھانا تو میں نے پلین میں ہی کھالیا تھا۔ اب تو بس سونا چاہتا ہوں، بہت تھکاوٹ محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے صوفے سے سر ٹکا کر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"بھائی! کچھ دیر تو باتیں کریں۔ اتنی مدت کے بعد آپ کو دیکھا ہے۔" سونا کی آنکھیں پوری طرح کھل چکی تھیں۔

"صبح۔ بچو! صبح باتیں کرلینا۔ اب بھائی کو آرام کرنے دو۔ میرا بچہ کتنا کمزور ہو گیا ہے۔ جاؤ بیٹا! تم آرام کرو۔" انہوں نے محبت پاش نظروں سے مغیث کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ "شب بخیر" کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"کسی نے سمیطہ کا ذکر نہیں کیا۔" اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے سوچا۔ زیرو پاور بلب کی مدھم روشنی میں دعا عباد سے لپٹ کر سوئی ہوئی تھی۔

"دعا اتنی بڑی ہو گئی ہے۔" اس نے کوٹ اتار کر کرسی کی پشت پر ڈالا اور دھیرے سے دعا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"دعا بیٹا! دیکھو کون آیا ہے۔" وہ شاید گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ ذرا سا کسمسا کر پھر سو گئی۔ مغیث نے بازو اس کے گلے میں ڈال دیا اور اس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے اس کا ماتھا چوم لیا۔ عباد کے چہرے پر پیار کرنے کے بعد وہ ان دونوں کو اپنی بانہوں کے حلقے میں لے کر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے نیند آگئی۔

اگلی صبح اس کی آنکھ مدھم سی سرگوشیوں سے کھلی۔ وہ بستر پر تنہا لیٹا تھا دعا اور عباد اٹھ کر جا چکے تھے۔ اس نے سستی سے کروٹ بدلی تو وہ دونوں بیڈ کے دوسری طرف کھڑے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں انہیں دیکھتے ہی پوری طرح سے کھل گئیں وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"دعا بیٹا! ادھر آؤ۔ دیکھو پاپا آگئے ہیں۔" "تم نے خط لکھا تھا نا کہ میں کیوں نہیں آتا۔ دیکھو میں آگیا ہوں۔"

اس نے دونوں بازو پھیلا کر کہا۔ دعا کے چہرے پر شرمیلی سی مسکان تھی۔ وہ ذرا سا جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ مغیث نے اسے دوبارہ پکارا تو وہ عباد کی شکل دیکھنے لگی۔

"آؤ نا بیٹا! پاپا بلا رہے ہیں۔" پیار بھری پکار پر وہ ذرا سی رکی اور پھر دوڑ کر مغیث کی بانہوں میں سما گئی۔

"عباد جانو! تم بھی آؤ نا" اس نے پریشان کھڑے عباد کو دیکھا۔

"ممی! پاپا بلا رہے ہیں، یہ پاپا ہیں۔ آؤ نا" دعا نے پلٹ کر اسے یقین دلانا چاہا جو حیرانی سے آنکھیں جھپکا جھپکا کر مغیث کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آؤ نا" دعا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر مغیث کے پاس لے جانا چاہا تو وہ زور سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے باہر بھاگ گیا" یہ پاپا نہیں ہیں۔"

"پاپا! ابھی آجائے گا" دعا نے باپ کے ملول چہرے کو دیکھتے ہوئے تسلی دی۔

"ہاں، آجائے گا۔ آپ ادھر آئیں۔" اس نے پیار سے اسے پھر اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

☆☆☆

"وہ کل تمہارے بھائی جان بتا رہے تھے کہ مغیث پاکستان آگیا ہے دو دن ہو گئے ہیں۔ شاید اسے یہاں آئے۔" یہ یاسمین بھابھی کی آواز تھی وہ ابو کے لیے چائے بنانے کچن کی طرف آئی تھی تو اس اطلاع نے اس کے قدم باہر ہی روک لیے۔

"اچھا مجھے تو نہیں پتا۔ شاید آگئے ہوں۔" عظمیٰ نے جواب دیا۔

"ہاں دیکھو ذرا حال، دو دن ہو گئے ہیں آئے ہوئے اور اس نے بھی بیوی کی خیر خبر نہیں لی۔ مجھے تو معاملہ اچھا خاصا گڑبڑ لگتا ہے۔" اب کے یاسمین کی آواز کچھ مدھم تھی۔

"کیا مطلب؟" یا تو عظمیٰ کی حیرانی مصنوعی تھی یا اس کا دھیان واقعی ادھر نہیں تھا۔

"بھئی، دیکھو نا، رات گئے اکیلے اٹھ کر چلے آنا پنکی کا۔" اس نے زور دے کر اس کا نام لیا "اور وہ بھی اتنے چھوٹے بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر اور پھر دیکھا تھا، کتنے دن اس نے گھر والوں سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔ جس نے کچھ پوچھا، اسی کو کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی اور پھر نوکری کرنے چل پڑی دیکھو ذرا۔ اتنے برسوں کا بسا بسایا گھر بار چھوڑ کر یہاں آبیٹھی۔ کوئی تو بڑا ہی جھگڑا ہوا ہوگا اور خاوند کو دیکھو، دو تین دن سے آئے ہوئے ہیں اور مڑ کر خبر بھی نہیں لی۔" باہر کھڑی سمیطہ کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

"ہاں ایسا ہی کچھ لگتا ہے لیکن اس کی ساس بھی تو بہت فضول ہیں ذرا سی بات کا بتنگڑ بنانے میں ماہر ہو سکتا ہے انہوں نے کچھ غلط کہہ دیا ہو اور جب شوہر کی محبت کا سہارا بھی نہ ہو تو عورت کے صبر کا پیمانہ ذرا جلدی ہی چھلک جاتا ہے۔" عظمیٰ نے کہا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"خیر ایسا بھی کیا کہ انسان آدھی رات کو اٹھ کر تن تنہا چل پڑے ہمارے اپنے گھر میں سو طرح کی باتیں ہوتی ہیں اگر ہم بھی ایسا کرنے لگتے تو کب کے ہاتھ پاؤں جھاڑ کر بیٹھے ہوتے۔ میکے اور سسرال میں بہت فرق ہوتا ہے انسان کو بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ یاد ہے، پچھلے سال مجھ سے کرسٹل کے دو گلاس ٹوٹنے پر امی نے کیا ہنگامہ کیا تھا حالانکہ گلاس بھی میرے جہیز کے تھے۔ امی نے عظیم کے کان بھر دیے کہ میں نے موڈ آف کیا ہوا ہے۔" وہ پتا نہیں کون سی مثال ڈھونڈ لائی۔

"وہ بات اور تھی پھر عظیم بھائی نے امی کی ہر بات پر آپ کا دفاع کیا تھا۔ سمیطہ کی پوزیشن زیادہ نازک ہے۔ عورت تو خاوند کے بھروسے پر اکڑتی ہے وہ بیچاری کس بھروسے پر ساس سے منہ ماری کرے۔ خدا جانے کیا معاملہ ہے۔" عظمیٰ حتی الامکان گریز کر رہی تھی۔

"ظاہر ہے سیریس بات ہے۔ امی نہیں گئی تھیں اس دن اس کے سسرال؟ آتے ہی بیمار پڑ گئیں۔ اندر کی بات کیا ہے، یہ کوئی نہیں بتاتا۔ اوپر سے ہمیں بیٹی کہتے ہیں اور ہم ہی سے پردے ڈالے جاتے ہیں جب سگی اولاد کا معاملہ ہو تو وہ پرائی بیٹیوں کو کاہے کو راز دار بنانے لگیں۔" یاسمین کا لہجہ جلا ہوا تھا۔

"ظاہر ہے، بیٹی کا معاملہ ہے، چاہ رہے ہوں گے کسی طرح اندر ہی اندر سلجھ جائے۔ ڈھنڈورا پیٹنے سے فائدہ؟"

"ہونہہ، یہ بات سنیں گی۔" وہ واپس ابو کے بیڈروم کی طرف بڑھ گئی۔

"مغیث دو دن سے آیا ہوا ہے مگر ہمیں کسی نے خبر نہیں کی اور خود اس نے بھی کوئی رابطہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ معاملہ کیسے سلجھے گا۔" اقبال صاحب کی پریشان آواز نے پھر اسے دروازے پر ہی روک دیا۔

"آپ ہی مغیث سے جا کر مل لیں۔" رابعہ نے کہا۔

"اس نے آنے کی اطلاع دینا ضروری نہیں سمجھا اور میں اٹھ کر ملنے چل پڑوں۔ بیگم! عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" اقبال صاحب تلخی سے بولے۔

"بس پھر عزت نفس کو ہی سینے سے چمٹائے بیٹھے رہیں۔ بیٹی کا چاہے گھر اجڑ جائے۔"

"تو کیا کروں، پاؤں پڑوں جا کر ان کے کہ آؤ خدا کے لیے میری بیٹی کو آ کر لے جاؤ۔ ان کی انا کو اور گھوڑے پر چڑھاؤں۔" اقبال صاحب اونچی آواز میں بولے۔

"کہا تھا میں نے نہ دیں ایسے لوگوں میں بیٹی۔ تھڑدلے اور کمینے لوگ۔ دھن کے لالچی۔ میری پھول سی بچی کا کیا حال کر دیا۔ کتنے اچھے اچھے رشتے آ رہے تھے اس کے۔ آپ نے اس وقت بھی

میری بات نہیں مانی اور اب بھی اپنی ضد لگا رکھی ہے۔'' رابعہ رونے لگیں۔

''میں نے کیا جان بوجھ کر ایسا چاہا تھا۔ اتنا اچھا لڑکا تھا۔ چاہت والے لوگ تھے، سوچا تھا مال و دولت کی کیا بات ہے۔ محبت کرتے ہیں خوش رکھیں گے۔ مجھے کیا خبر تھی۔'' ان کے لہجے میں پچھتاوے بول رہے تھے۔

''اب وہی اچھا لڑکا ہے نا جس نے دو دن سے خبر نہیں لی۔ ظالموں نے بچے بھی چھین لیے۔ آدھی رہ گئی میری بچی۔ جب رشتہ لینا تھا، کیسی میٹھی زبان تھی اور اب کیسا روپ بدلا ہے بہروپیوں نے۔'' وہ جلے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''اچھا بس۔ ابھی بہت بولنے کی ضرورت نہیں۔ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو، دو چار دن انتظار کرتے ہیں، شاید مغیث آ جائے۔ اگر وہ نہیں آیا تو پھر بات کریں گے۔ بیٹی والے ضرور ہیں پر اب ایسے بھی کمزور نہیں کہ جو چاہے روند کر گزر جائے، تم حوصلہ رکھو۔ اول تو اس نے اس بات پر یقین ہی نہیں کرنا اور اگر ایسا کچھ ہوا بھی تو ہم دیکھ لیں گے۔ ابھی تو سمیطہ سے فی الحال مغیث کے آنے کا ذکر نہ کرنا اس کا دل برا ہوگا۔'' انہوں نے بیوی کو سمجھایا۔ باہر کھڑی سمیطہ کا دل جیسے چکنا چور ہو چکا تھا یہ جان کر ہی کہ اسے آئے دو دن ہو چکے ہیں اور اس نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ وہ بے جان جسم کو گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

خدیجہ بانو نے جو کچھ اسے بتایا۔ وہ اس کے دل و دماغ کی دنیا ہلا دینے کے لیے کافی تھا۔ ان کی الزام تراشیوں اور طعنوں کے جواب میں وہ کچھ پوچھ ہی نہ سکا بس ڈھیروں بوجھ دل پر لیے چپ چاپ کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔ سمیطہ ایسا نہیں کر سکتی۔'' امی کے ٹھوس لہجے اور یقین دہانی کے باوجود اس کا دل یہی کہے جا رہا تھا۔

سارا دن وہ ایسے ہی کمرے میں پڑا رہا۔ بچے اسکول سے آتے ہی اس کے پاس آئے پھر اس کی گم صم صورت دیکھ کر تھوڑی دیر بعد باہر نکل گئے۔ مونا دوبارہ کھانے کا پوچھنے آئی اس نے سونے کا بہانہ کر کے کروٹ بدل لی۔

امی کی بات پر یقین کرتا ہوں تو سمیطہ گندگی کی دلدل میں جا گرتی ہے۔ سمیطہ کا دفاع کرتا ہوں تو امی جھوٹی پڑتی ہیں اور ان دونوں باتوں کی موجودگی میں میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ سوچتے سوچتے اس کا سر درد سے پھٹنے لگا۔

UrduPhoto.com

رات کے کھانے پر اس نے سب کے ساتھ بے دلی سے دو چار لقمے زہر مار کیے اور پھر اٹھ کر باہر نکل گیا۔ کتنی دیر یونہی سڑکوں کے کنارے کنارے چلتا رہا۔ جب چلتے چلتے تھک جاتا تو دو گھڑی کو بیٹھ جاتا پھر بے کلی سے اٹھ کر چلنے لگتا۔ ذہن کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

جب ساری سڑکیں سنسان ہو گئیں، اس کے پاؤں تھکن سے چور چور ہو گئے تو وہ گھر کی طرف پلٹ آیا۔

حسیب نے گیٹ کھولا تھا اور شاید اس نے اس سے اتنی دیر باہر رہنے کی وجہ بھی پوچھی تھی مگر وہ جواب دیے بغیر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کی نظر راحیل کے کمرے کی طرف اٹھی، بس کے کمرے کی روشنی جل رہی تھی، اس کے قدم غیر ارادی طور پر اس طرف اٹھ گئے۔

وہ کرسی پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''آئیے بھائی جان! آپ کہاں چلے گئے تھے آپ کے دوست کا فون آیا تھا۔ اتنی دیر لگا دی آپ نے باہر۔'' وہ اسے کرسی پیش کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں واقعی میں نے باہر بہت دیر لگا دی۔'' اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

''آپ بیٹھیں نا۔'' راحیل نے اس کی ملول صورت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ چپ چاپ بیٹھ گیا تو راحیل بھی بیڈ کی سائیڈ پر ٹک گیا۔

''اور سنائیں، کتنے عرصے کی چھٹی لے کر آئے ہیں آپ۔'' راحیل نے لہجے کو کچھ بشاش بناتے ہوئے کہا۔

''راحیل! مجھے ایک بات سچ سچ بتاؤ گے۔'' مغیث نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا اس کی گہری نظروں سے راحیل کچھ گڑبڑا گیا۔

''کیا...... کیا بات ہے بھائی جان!'' اس کی آواز ذرا کی ذرا لرزی۔

''اس رات کیا ہوا تھا؟'' اس نے نظریں راحیل کے رنگ بدلتے چہرے پر جما دیں۔

''ک، کس رات بھائی جان!'' اس کی نظریں اس کے سوال کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

''جس رات سمیطہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔'' اس کی سرد نگاہیں راحیل کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

راحیل چپ رہا۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے اس گھر کے لیے کوئی قربانی دی ہے یا کوئی قابل ذکر خدمت سر انجام دی ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر آج تک میں نے تم لوگوں کے لیے کچھ کیا ہے خواہ وہ معمولی

محبت ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا صلہ اگر کچھ بنتا ہے تمہاری نظر میں تو مجھے سچ سچ سب کچھ بتا دو۔'' مغیث کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

راحیل نے تڑپ کر بھائی کی طرف دیکھا۔

''بھائی! اگر آپ یہ سب نہ بھی کہتے تو بھی مجھے آپ سے یہ بات کرنا تھی، آج یا کل۔ بس ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''بھابھی کا کوئی قصور نہیں۔'' اس کے ایک فقرے سے جیسے غار کا پتھر ذرا سا سرک گیا تھا اندر جو جوار بھاٹا صبح سے اٹھ رہا تھا اس کا شور کچھ مدھم پڑ گیا تھا لیکن اسے تو سارا پتھر ہٹانا تھا۔ آدھی روشنی آدھے اندھیرے سے زیادہ خوفناک ہوتی ہے اسے مکمل اجالا چاہیے تھا غار سے نکلنے کا مکمل راستہ، کھلے میدان تک جانے کا۔

''نہ میں نے کبھی ان پر غلط نگاہ ڈالی نہ کبھی انہوں نے مجھے ایسی کوئی آس دلائی کہ جس کی۔'' اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا'' پھر بھی ہمارے درمیان دوستی اور محبت کا عجیب رشتہ تھا شروع ہی سے آپ کے سامنے کی بات ہے۔ وہ اپنا ہر مسئلہ مجھ سے بیان کر لیا کرتی تھیں اور میں بھی ان کا خیال رکھا کرتا تھا۔ بس یونہی اس میں میرے کسی ارادے کا دخل نہ تھا۔ ہماری بے تکلفی امی کو پسند نہیں تھی مگر مجھے اس کی پروا نہیں تھی کیونکہ ہم دونوں کی نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔

لیکن شاید مجھے نہیں پتا، یہ چور کب میرے من میں آ کر چھپا تھا۔ کب میری نظر نے یہ خباثت کی تھی لیکن کچھ تھا کہ کچھ دنوں سے میرے دل کا جھکاؤ ان کی طرف زیادہ ہو گیا تھا۔

دو دن سے عباد کو بہت تیز بخار تھا۔ دوسرے دن بھی جب بخار نہ ٹوٹا تو میں اسے دوسرے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ بھابھی میرے ساتھ گئیں ڈاکٹر نے نئی دوائیں تجویز کیں۔ ساری دوائیں قریبی میڈیکل اسٹور سے مل گئیں لیکن ایک سیرپ نہ مل سکا۔ میں نے عباد اور بھابھی کو گھر ڈراپ کیا اور خود سیرپ لینے چلا گیا۔ گھر سے کافی دور جا کر ایک اسٹور سے دوائی ملی۔ ابھی میں سیرپ لے کر نکلا ہی تھا کہ میرے دوست مجھے مل گئے اور فلم کے لیے اصرار کرنے لگے۔ پہلے تو میں نے انکار کیا پھر ہامی بھر لی۔ سیرپ کی شیشی میں نے کوٹ کی جیب میں ڈالی اور آخری شو دیکھنے ان کے ساتھ چلا گیا۔

رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب میں گھر آیا گیٹ کی ڈپلی کیٹ چابی میرے پاس ہی ہوتی تھی۔ میں کھول کر اندر آ گیا میں نے کمرے میں آ کر کوٹ اتارا تو جیب میں پڑی سیرپ کی شیشی دیکھ کر مجھے عباد کا بخار یاد آیا۔ میں بڑا شرمندہ ہوا اور شیشی لے کر بھابھی کے کمرے کی طرف بڑھا۔

وہ سو رہی تھیں عباد بھی سویا ہوا تھا پہلے میں نے سوچا کہ شیشی رکھ کر واپس چلا جاتا ہوں لیکن

پھر سوچا کہ عباد کے بارے میں پوچھ لوں۔ میں نے انہیں آواز دی، انہوں نے نہیں سنی۔ وہ گہری نیند ہوئی ہوئی تھیں۔ ان کا دوپٹہ سرہانے کے دوسرے طرف پڑا تھا۔ انہوں نے بلیک کلر کا ہاف سلویز کا سوٹ پہنا ہوا تھا، ان کا بازو آنکھوں پر رکھا تھا۔ زیرو پاور بلب کی روشنی میں ان کا دودھیا بازو میں نے جیسے ہی ان کے کو ہاتھ لگایا، مجھے پتا نہیں کیا ہو گیا تھا اور۔'' اس نے ایک دم چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا

''بھابھی کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے مجھے پرے دھکا دیتے ہوئے زور سے تھپڑ میرے منہ پر مارا اور۔''

''بس۔'' مغیث نے کرسی سے اٹھتے ہوئے چیخ کر کہا۔ اس کے جبڑے بھینچ گئے تھے اور غصے کی شدت سے جسم ہلکا ہلکا کپکپانے لگا تھا اس نے زور سے مکا کرسی کی پشت پر مارا۔

''میں، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے اپنے گھر میں۔ میرے خدا تم نے، یہ کیا کیا؟'' اس کی آواز پھٹی ہوئی تھی۔

''میرا جی چاہ رہا ہے کہ تھپڑوں سے تمہارا منہ لال کر دوں یا تمہارا گلا گھونٹ دوں۔ لیکن نہیں۔ یہ تھپڑ مجھے اپنے منہ پر مارنے چاہئیں جب کوئی انسان اپنی چیز کی خود حفاظت نہیں کر سکتا، اسے چور ڈاکوؤں کو مارنے پیٹنے کا کوئی حق نہیں۔ میں نے بھی اپنی سب سے قیمتی چیز کو بیچ چوراہے میں رکھ چھوڑا تھا کہ جو آئے میری عزت سے کھیل جائے۔ ہاں مجھے مار دو مجھے پیٹو۔ میں ہوں اس سزا کا حقدار۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔ اس کی آواز سن کر مونا دوڑی آئی۔

''کیا ہوا بھائی جان! کیا ہوا؟'' اس نے مغیث کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔

راحیل دوسری طرف منہ پھیرے کھڑا تھا۔

''بھائی جان بھائی جان! پلیز خود کو سنبھالیں کیا ہوا ہے؟'' مونا نے مغیث کا بازو سہلایا۔

''کچھ نہیں۔ کچھ نہیں ہوا۔ جب چوری بھی اپنے گھر کی ہو اور نقب لگانے والا بھی کوئی گھر والا ہو تو پھر ایسی ہی کیفیت ہو جاتی ہے۔''

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ راحیل اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مغیث نے ایسی نظروں سے اسے دیکھا کہ اس کا جی چاہا کہ زمین شق ہو جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

''منیر ماموں اس رات آئے ہوئے تھے۔ وہ سدرہ کے لیے ہاں کر چکے تھے اور کچھ دنوں میں منگنی ہونے والی تھی جیسے ہی بھابھی کی چیخیں سنائی دیں۔ ہم سب اٹھ کر آ گئے۔ راحیل بھائی ایک طرف کھڑے تھے اور بھابھی چیخ چیخ کر رو رہی تھیں۔ امی نے انہیں ڈانٹا تو انہوں نے ساری بات بتانا چاہی کہ منیر ماموں اٹھ کر آ گئے۔

UrduPhoto.com

امی نے انہیں دیکھتے ہی پانسہ پلٹ دیا۔ سارا الزام بھابھی پر لگا دیا کہ وہ راحیل بھائی کے ساتھ۔

اور راحیل بھائی نے بھی امی کی بات کی تردید نہ کی۔ بھابھی نے امی کی الزام تراشی پر قسمیں کھانی شروع کر دیں۔ امی نے انہیں تھپڑ مار کر چپ کرا دیا اور انہیں اتنے گھٹیا القاب دیے کہ میں آپ کو کیا بتاؤں۔" مونا کی آواز بھرا گئی "راحیل بھائی کی چپ نے سارا کیس ان کے حق میں کر دیا اور بھابھی نے چادر اوڑھ کر بچوں کو ساتھ لیا اور جانے لگیں تو امی نے کھینچ کر دونوں بچوں کو ان سے علیحدہ کر دیا۔ بھابھی کا چہرہ خطرناک حد تک پیلا پڑ رہا تھا۔ ذلت اور خفت کے احساس سے ان کا بدن کانپ رہا تھا اور ہم سب تماشائی بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے بچوں کی بھی پرواہ نہ کی اور گیٹ کی طرف بڑھ گئیں۔ میں نے انہیں روکنا چاہا تو امی نے مجھے ڈانٹ دیا۔

اتنی رات گئے ان کا اس طرح تنہا جانا میں نے حسیب بھائی کی منت کی تو وہ امی کی ڈانٹ کی پرواہ کیے بغیر بھابھی کے پیچھے بائیک لے کر چلے گئے اور پھر ہزار منتوں کے بعد انہیں ان کے گھر چھوڑ آئے پھر نہ انہوں نے کوئی رابطہ کیا اور نہ ادھر سے کوئی گیا۔

امی کو تو بس منیر ماموں کی ڈھیروں ڈھیر جائیداد سے غرض تھی اور شاید راحیل بھائی کو بھی، نوکری نہ ملنے میں ان کی اسی نیت کا دخل ہے۔ بھابھی کی خدمت، قربانی، محبت سب کچھ نظر انداز کر دیا گیا اور آپ، آپ نے کون سا ان کی بہت پرواہ کی تھی۔ آپ تو انہیں شاید گھر لا کر بھول گئے تھے۔ ہمیشہ گھر کی ضرورتوں کو ان پر ترجیح دی۔ بھائی جان انہوں نے قیامت کا صبر جھیلا ہے ورنہ امی کی باتیں سن کر کوئی زندہ رہنے کی تمنا نہ کرے گا۔

ذرا ایک لمحے کو ان کی جگہ خود کو رکھ کر دیکھیں، آج تک ان کی بے لوث خدمت اور محبت کا کیا صلہ دیا گیا۔ ان کی کردار کشی کی گئی۔ جھوٹا الزام لگا کر انہیں گھر بدر کیا گیا اور اتنے مہینوں سے بچوں سے جدائی، آپ کی بے پروائی اور ان کے اپنے گھر والوں کی سوالیہ نظریں۔ آپ کہاں کہاں تلافی کا مرہم رکھیں گے۔ مجھے اپنے گھر والوں کے اس بے حس رویے پر بے حد دکھ ہوا ہے۔ امی یہ سب کچھ کرتے وقت یہ بھول گئیں کہ خدا نے انہیں دو بیٹیاں دے رکھی ہیں اور اس کی لاٹھی بے آواز ہے اگر امی کی بہتان تراشیوں کی زد میں کہیں ہم آ گئے تو سوچیں ان کا کیا حال ہوگا۔ یہ سب کچھ کرتے وقت وہ یہ کیوں بھول گئیں۔" مونا رونے لگی۔ "اور بھائی جان اپنی ایمان داری کو بھی ذرا تولیے گا، کہاں آپ سے بھول ہوئی۔ آپ کی نیت ڈگمگائی، کہاں آپ نے اس مقدس رشتے میں بے ایمانی کا سوچا جس کے نتیجے میں راحیل بھائی نے بھابھی کو غلط نظر سے دیکھا۔ قدرت کا نظام ان ہی اصولوں پر کام کرتا ہے۔ مگر ہم لوگ

بقیہ

نہیں سمجھتے۔ چھوٹی چھوٹی چوریاں کر کے ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا مال محفوظ ہے۔ ہم محفوظ ہیں مگر ایسا ہوتا نہیں۔ آپ سے تو کہیں ایسی بھول نہیں ہوئی سوچیے گا۔"

یہ مونا تھی اس کی چھوٹی بہن جو اسے آئینہ دکھا گئی تھی۔ عقل سالوں کے ترازو میں نہیں تولی جاتی۔ وہ اسے یہ بتا گئی تھی اور اس کا تو جیسے دماغ شل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ کرسی پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی جب دروزے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے، آ جاؤ دروازہ کھلا ہے۔"

اس نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا تو جواب میں دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا اور کوئی بے آواز قدموں سے اندر آ گیا جب کچھ دیر تک کوئی نہ بولا تو اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو ایک پل کو اسے لگا جیسے اس کی بصارتیں دھوکا کھا رہی ہیں۔ مغیث احمد اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دوسرے پل اس نے مضطرب انداز میں نظریں کتاب کے صفحے پر جما دیں۔ مغیث کو پتا تھا، وہ اسے بیٹھنے کو نہیں کہے گی اس لیے خود ہی آگے بڑھ کر اس کے سامنے پڑی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ وقت یوں ہی خاموشی سے گزر گیا۔ مغیث کو بات شروع کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے اور وہ اس کی نظروں کی حدت سے جیسے پگھلتی جا رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی ہم کلام تھی آخر سمیطہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کتاب بند کر کے ریک میں رکھنے لگی۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" کتنی دیر سے کمرے میں چھایا سحر ان لفظوں کی پھونک سے جیسے ٹوٹ گیا۔ اس نے ان سنی کر دی اور کتابوں کی ترتیب درست کرنے لگی۔

"سمیطہ! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" مغیث نے نرم لہجے میں اپنی بات دہرائی۔ اس کے ہاتھ ایک لمحے کو رکے اور پھر وہ مغیث کی طرف پلٹی۔

"جانے کا سوال بعد میں آتا ہے مغیث صاحب! پہلے آنے کی بات کریں کہ میں یہاں کیوں آئی؟" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس بات کو بھول جاؤ۔" مغیث نے نظریں چرا کر کہا۔

"بھول جاؤں؟" وہ زور سے بولی ذلت کے اس احساس کو بھول جاؤں۔ بھول جاؤں ان لمحوں کی اذیت کو جنہوں نے میرے پندار کو میرے کردار کو پاش پاش کر دیا تھا سب کے سامنے۔ آپ نہیں گزرے نا اس پل صراط سے جو ذلت کے گڑھے کے اوپر سے گزرتا ہے جس کی بدبو کے بھبکوں نے میرے اندر کو متعفن کر دیا ہے۔ بھول جاؤں میں سب۔" اس کا جسم لرزنے لگا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"میں جانتا ہوں۔" وہ کمزور لہجے میں بولا۔

"کچھ نہیں جانتے آپ۔" وہ ہاتھ اٹھا کر تیز لہجے میں بولی "کچھ بھی نہیں جانتے آپ اور آپ کو جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔ نہ تھی نہ ہے۔ کیا رشتہ ہے آپ کا مجھ سے۔ کاغذ پر لکھے چند لفظوں کا بندھن اور بس، جسے آپ پانچ سالوں سے بھلائے بیٹھے ہیں اور میں نے۔ میں نے ان بے جان لفظوں کی کیا قیمت چکائی ہے۔ آپ کبھی نہیں جان سکیں گے۔" اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

"سمیطہ آئی ایم سوری۔ آئی ایم ایکسٹریملی سوری جو کچھ ہوا۔"

"سوری، سوری۔" وہ چیخی "سوری فار واٹ؟ مسٹر مغیث۔ آپ کو معلوم ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس کا تنفس تیز تیز چلنے لگا۔ "کیا آپ کا یہ سوری میری پاک دامنی کا اعلان کر سکتا ہے۔ اس تاریک رات نے جو سیاہی میرے چہرے پر ملی ہے اسے دھو سکتا ہے۔ میرے آنسوؤں کا ازالہ کر سکتا ہے، میرے دکھ کا اندازہ کر سکتا ہے اور جتنی اذیت میں نے سہی ہے اس کو Compensate (تلافی) کر سکتا ہے۔ بتائیں مجھے۔" وہ رکی۔

"نہیں مغیث صاحب! مجھے آپ کی سوری کی ضرورت نہیں اور آپ کی بھی نہیں جہاں میں اتنے برس آپ کے بغیر گزار سکتی ہوں، باقی کی زندگی بھی گزار سکتی ہوں۔ چلے جائیں آپ یہاں سے۔" آنسو اسے کمزور کرنے لگے تھے۔ وہ رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

"میں جانتا ہوں، مجھے معلوم ہے۔ سارا قصور میرا ہے۔ میری غفلت میری لاپروائی کا۔ میں نے ہی اپنی ذمہ داریوں سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ میں سمجھتا تھا کہ تم اپنے گھر میں ہو اور میرے نام کی چادر تمہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے گی لیکن میں یہ بھول گیا تھا کہ اپنی چیز کی حفاظت جیسے انسان خود کر سکتا ہے محض حوالے، رشتے اور بے جان لفظوں کے ناتے ان کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ کتنا نادان تھا میں، اپنا سرمایہ دوسروں کے ہاتھوں میں دے کر محفوظ سمجھ بیٹھا تھا۔

اس بات کی معافی میں تم سے ضرور مانگتا ہوں۔" وہ شاید خود سے باتیں کر رہا تھا۔

"معافی مجھے چاہیے مگر آپ سے اس مسئلے پر نہیں بلکہ ان لوگوں سے اتنے ہی لوگوں کی موجودگی میں جتنے اس رات تھے۔ جنہوں میں میری ذلت کا تماشا دیکھا تھا اور مجھ پر جھوٹا بہتان باندھا تھا۔ مغیث صاحب! اس رات کی وحشت کا تصور قبر تک میرے ساتھ جائے گا اس آسیب سے چھٹکارے کی ایک ہی صورت ہے آپ کی والدہ سب کے سامنے میری پاک دامنی کی قسم کھائیں ورنہ میں آپ کے ساتھ اس گھر میں کبھی نہیں جاؤں گی۔ یہ میرا خود سے عہد ہے۔" وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"میں اب تمہیں اس گھر میں لے کر بھی نہیں جاؤں گا۔ میں نے پلاٹ بیچ کر ایک گھر لے لیا ہے اپنے لیے اور باقی کی رقم سے کوئی نہ کوئی کام کر لوں گا جتنی قربانی میں گھر والوں کے لیے دے چکا ہوں اور جتنا صلہ مجھے اس کے نتیجے میں مل چکا ہے۔ میرے لیے کافی ہے۔"

وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا "میں انکل اور آنٹی سے بھی معذرت کر چکا ہوں اور اب تم سے بھی معافی مانگتا ہوں۔ بچوں کی خاطر میری اس پہلی اور آخری غلطی کو نظر انداز کر دو۔" اس نے کچھ منت آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ ان تین چار ماہ میں میں جن عذابوں سے گزر رہی ہوں اس کی تلافی یہ دو لفظ نہیں۔ مجھے گواہی چاہیے اپنی پاک دامنی کی پھر میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" وہ منہ پھیر کر ٹھوس لہجے میں بولی۔

"تمہیں گواہی کس لیے چاہیے میرے لیے ناں۔ تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم آج بھی سی طرح پاک ہو جس طرح پانچ برس پہلے میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ تمہارا کردار آئینے کی طرح شفاف ہے جس میں صرف میری کوتاہیوں کا عکس ہے اور کچھ نہیں۔"

سمیطہ کی آنکھوں سے آنسو پھسلنے لگے۔

"اور سمیطہ! مجھے کسی گواہی کی ضرورت نہیں۔ مجھے کل بھی تم پر یقین تھا آج بھی ہے۔ جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ کسی ڈراؤنے خواب کی طرح۔ اب میں آ گیا ہوں۔ کوئی تمہاری طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ میں ہوں تمہاری گواہی، تمہارا مان، تمہاری ڈھال۔" وہ بے دم سی ہو کر زمین پر بیٹھ گئی۔

یہی الفاظ اگر چار ماہ پہلے اسے سننے کو مل جاتے تو؟

"اس سارے قصے میں نقصان کس کا ہوا ہے تمہارا، میرا، ہمارے بچوں کا اور کسی کا تو کچھ نہیں بگڑا اور کتنے بدنصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں اپنے ساتھ ہونے والے خسارے کا احساس نہیں ہوتا۔ میں قسم نہیں کھاتا اور نہ کوئی وعدہ کرتا ہوں کیونکہ ہم لوگ تو ان وعدوں کو بھی بڑی آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ جو خدا اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر کرتے ہیں۔"

اس کی نظروں میں رائیل کا عکس لہرایا۔

"لیکن تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ زندگی میں کسی موڑ پر تمہیں تنہائی کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہونے دوں گا۔ آئی پرامس یو۔" وہ اس کے برابر بیٹھے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"مگر میں اس طرح نہیں جاؤں گی۔ انہیں مجھ سے معافی مانگنا ہی ہو گی۔" وہ اپنا ہاتھ

چھڑاتے ہوئے بولی۔

''تمہارا کیا خیال ہے وہ مان جائیں گی کبھی نہیں۔'' اس نے پھر اس کے ہاتھ پکڑ لیے ''سمیعہ! معاف کر دینا افضل ترین ہے۔ امی کبھی نہیں جھکیں گی۔ میں انہیں جانتا ہوں اور سوچو۔ اگر وہ جھک کر تم سے معافی مانگ بھی لیں تو کیا تمہیں اچھا لگے گا۔ کل اگر خدانخواستہ کبھی ایسا ہو، کیا تم چاہو گی کہ عباد کے سامنے تم اس کی بیوی سے معافی مانگو، خواہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو اور۔''

''آپ مجھے ایموشنلی بلیک میل نہیں کر سکتے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''یہ بلیک میلنگ نہیں ہے صرف ایک خیال ہے جو میں نے تمہارے سامنے رکھا ہے۔ راحیل امریکہ جا رہا ہے۔ حسیب کو کراچی میں جاب مل گئی ہے۔ مونا کی شادی کے فوراً بعد وہ کراچی سیٹل ہو جائے گا اور امی اس کے ساتھ جائیں گی۔ امی مجھ سے شرمندہ ہیں مگر وہ اس شرمندگی کو الفاظ نہیں دے سکتیں اور شاید میں بھی ایسا نہ چاہوں۔ ان کے لیے ضمیر کی چبھن ہی کافی ہے، اسی لیے انہوں نے حسیب کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا ہے پھر ہمارا سب کے ساتھ کتنا تعلق رہ جائے گا۔

پھر بھی اگر تم چاہتی ہو کہ امی اگر معافی مانگیں تو میں انہیں لانے کی کوشش کروں گا اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ ہم دونوں کا سفر اور کٹھن اور طویل ہو جائے گا اور بچے۔ ان کا سوچا ہے تم نے۔ ان دوریوں نے ہمیں یوں بے حال کر دیا ہے۔ وہ تو بہت معصوم ہیں۔ ان کی حالت کے بارے میں سوچو۔'' وہ چپ کر گئی۔

''یہاں انکل آنٹی کے سوا سب کو پتا ہے کہ تمہارا امی سے جھگڑا ہو گیا تھا اور بس۔ امی کو معاف کر دینا تمہاری بڑائی ہو گی۔ راحیل مجھ سے معافی مانگ چکا ہے اور تم سے بھی معافی مانگنے کو تیار ہے۔ وہ کمزور لمحے کی گرفت میں آ گیا تھا اور تم بھی اگر اسے معاف کر سکو تو سب کچھ بھول جاؤ۔ اسے میری درخواست سمجھو۔''

''آپ اتنے دنوں سے آئے ہوئے ہیں اور آج ساری گواہیاں سن کر ادھر آئے ہیں۔''

شکوہ اس کی زبان سے پھسل گیا۔

''دوسرے ہی دن مجھ پر سارا معاملہ کھل گیا تھا۔ اتنے دن بھاگ دوڑ میں گزرے پلاٹ کی فروخت، نئے گھر کی خرید، سامان کی شفٹنگ۔ مونا کی شادی پندرہ دن بعد ہے اور اقبال انکل سے تو میں چوتھے روز ہی مل گیا تھا اور ان سے معافی بھی مانگ گیا تھا اور جلدی نہ آنے کی وجہ گواہیوں کا حصول نہیں بلکہ شرمندگی اور احساس ندامت تھا۔ خود میں حوصلہ نہیں پا رہا تھا تمہارا سامنا کرنے کا۔''

سچ اس کی آنکھوں سے عیاں تھا۔ اس نے ایک نظر دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

''چلیں اب؟'' مغیث اسے ہاتھ کا سہارا دیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں۔ میں ادھر نہیں جاؤں گی۔'' اس نے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

''میں ادھر کی بات نہیں کر رہا۔ ہم اپنے گھر جائیں گے جو صرف تمہارا ہو گا اور ہمارے بچوں کا۔ میں تمہاری گواہی ہوں تمہارا سچ۔ تمہاری ڈھال۔''

لفظ اس کے کانوں میں رس گھولنے لگے تو مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

اور تاخیر کرنے میں نقصان کسی کا نہیں تھا۔ بس آنے والی خوب صورت ساعتوں سے کچھ لمحے کم ہو جانے تھے اور اب یہ نقصان اسے کسی صورت بھی گوارا نہیں تھے۔ اسی لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی۔

مغیث نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور کسی کی پشت پر سر رکھ کر ایک مدت بعد جیسے سکھ بھرا سانس لیا۔

☆☆☆